ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۳۳
جلد: ۲۹ ، شمارہ: ۹
شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
ستمبر ۲۰۱۱ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-سفر حج سے متعلق چند اہم امور	شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر	۶
۵-حج، اسلامی شعائر کا سب سے...	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۱۲
۶-دینی مدارس کا نصاب	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ	۱۵
۷-دوسروں کی زمین پر قبضہ	مولانا اسعد اعظمی	۲۲
۸-مولانا کھنڈیلوی اور وجہ ترجیح..	مولانا محمد مستقیم سلفی	۲۵
۹-نماز.....قرآن میں	عبدالسمیع محمد ہارون انصاری	۲۹
۱۰-علامہ اقبال ایک ہمہ گیر شاعر	عبدالخالق	۳۷
۱۱-نئی نسل پر ٹی وی کیبل.....		۴۲
۱۲-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۶
۱۴-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

حج بیت اللہ ایمان کی نشانی ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ، فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِناً وَلِلّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ الله غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ﴾ (آل عمران: ۹۶ – ۹۷)

بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے، جو تمام دنیا کے لیے برکت وہدایت والا ہے، جس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہوجائے امن والا ہوجاتا ہے، اور اللہ کے لیے ان لوگوں پر حج فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور جو کوئی کفر کرے (یعنی اللہ کے اس فریضہ کو نہ مانے) تو اللہ تمام دنیا سے بے نیاز ہے۔

اللہ رب العالمین آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک ہے، وہ بے نیاز ہستی ہے، اسی نے کائنات کی تمام چیزوں کو بنایا اور انسانوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے بہت سی چیزوں کو ان کے لیے مسخر کردیا ہے۔

مدینہ منورہ میں یہود رہتے تھے، ان کا دعوی تھا کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے، محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اللہ تعالی نے فرمایا کہ کعبہ اس سے پہلے بنایا گیا ہے، صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا جہاں آج کعبہ موجود ہے کہ اللہ نے مجھے اس جگہ ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے پھر ان دونوں نے اس کی بنیاد کو اونچی کیا۔ (بحوالہ حج مبرور: ۱۲۶)

حرم میں قتال اور خونریزی منع ہے، یہ امن کی جگہ ہے، لاکھوں انسان ہر سال امن وسکون سے حج بیت اللہ ادا کرتے ہیں، اس میں مقام ابراہیم تعمیر کعبہ کی نشانی کے طور پر موجود ہے، زمزم کا کنواں سنگ ریزہ میں اللہ کی قدرت کی نشانی ہے، جس سے لاکھوں انسان سیراب ہوتے ہیں، اور ہزاروں لیٹر زمزم دوسری جگہ روزانہ سپلائی ہوتا ہے اور ہر حاجی وعمرہ کرنے والا ساتھ لے کر جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے مسلمانوں پر اس گھر کے حج کو فرض قرار دیا، یہ فریضہ ایمان باللہ کی نشانی ہے، ہر وہ مسلمان جو صحت مند ہو اور بیت اللہ تک پہنچنے کے لیے اس کے پاس وسائل موجود ہوں تو اس پر حج فرض ہے، جو مومن ہے وہ اس فریضہ کو پورا کرتا ہے اور جو شخص وسائل ہونے کے باوجود حج نہ کرے تو گویا اس کو اللہ پر ایمان نہیں ہے اور نہ اس کو اللہ کے اس حکم کا پاس ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: جو کفر کرے یعنی میرا حکم نہ مانے بلکہ ساری دنیا انکار کردے تو بھی اللہ کی بادشاہت اور اس کی کبریائی وعظمت میں کچھ فرق پڑنے والا نہیں ہے، وہ بے نیاز اور یکتا ذات ہے۔

اللہ تعالی ہم کو مومن بنائے، اسلامی فرائض کو ادا کرنے کی توفیق بخشے اور دنیا وآخرت میں اپنی رحمت وانعام سے نوازے، آمین۔ ☆☆

درس حدیث

مومن کی شان

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي يَحْيىٰ صُهَيْبِ بْنِ سِنَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَجَباً لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ. (صحیح مسلم:۲۹۹۹)

ترجمہ: حضرت ابو یحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس کا ہر کام اس کے حق میں بہتر ہے، اور یہ سعادت سوائے مومن کے کسی اور کو نصیب نہیں، اگر اسے کوئی خوشی حاصل ہو جائے تو وہ شکر گزاری کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر کا باعث ہے اور اگر اسے کوئی رنج پہنچتا ہے تو وہ صبر سے کام لیتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔

تشریح: اس دنیا میں ہر انسان عموماً دو حالتوں سے گذرتا ہے، کبھی تو وہ اپنی مراد کو پا کر فرحاں وشاداں ہوتا ہے اور کبھی اپنے مطلوب کو نہ حاصل کر پانے کی وجہ سے وہ رنجیدہ اور مغموم ہوتا ہے، اور اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ ہر شخص کی ہر مراد پوری نہیں ہوتی اور یہ بھی نا قابل انکار بات ہے کہ جزع فزع کرنے سے مافات حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے اس حدیث میں مومن کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی کسی مراد کو پا کر اتراتا نہیں اور نہ ہی "انما أوتيته على علم عندي" کی تصویر بن کر کبر وغرور کا مظاہرہ کرتا ہے، بلکہ وہ بندگی کا تقاضا پورا کرتا ہوا رب کا شکر بجالاتا ہے کہ اس کے منعم حقیقی نے اسے اس نعمت سے نوازا، شکر گزاری کی وجہ سے وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے، نعمت موہوبہ میں ترقی وبرکت دی جاتی ہے اور اس شاکر بندہ سے اس بات کی بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ اس نعمت کا غلط استعمال نہیں کرے گا۔ دوسری طرف اللہ کا وہ بندہ ہے جو اپنی مراد کو حاصل کرنے کے لیے جد وجہد کرتا ہے، اسباب ووسائل اختیار کرتا ہے، مگر اسے اس کے مطلوب ومراد سے محروم رکھ کر آزمایا جاتا ہے، اب اگر وہ صبر کا دامن نہ تھامے تب بھی اسے وہ حاصل نہیں ہوگی، بلکہ جزع وفزع کر کے وہ صرف اپنے نفس کو تکلیف دے گا اور اپنی بے صبری اور کم ہمتی کا مظاہرہ کرے گا، جبکہ اس موقع پر صبر کر لینا اور اپنے حق میں اپنے رب کے فیصلہ کو برضا ورغبت تسلیم کر لینا ہی مومنانہ شان ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کا اپنے مقصد کو نہ پانا ہی انجام کے اعتبار سے اس کے حق میں بہتر ہو، "وعسى أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم" اس لیے صبر سے کام لینا اور اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا ہی اجر وثواب کا باعث اور نفس کے راحت وسکون کا ذریعہ ہے۔

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزہ دیکھے دنیا میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

☆☆☆

افتتاحیہ

نزاعات صحابہ ؓ میں اعتدال کی راہ

(۵) یہ بات نص قطعی سے ثابت ہے کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں اہل بیت کے صحابہ ؓ بھی داخل ہیں، دیگر تمام انبیاء کے متبعین سے افضل ہیں، وہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں اور حضرت موسی کے نقیبوں اور ہود ونوح پر ایمان لانے والوں سے بہتر ہیں، ہمارے رسول نے اس کی صراحت فرمائی ہے، آپ کا ارشاد ہے: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" (بخاری:۳۶۵۱) یعنی لوگوں میں سب سے بہتر میرے صحابہ ہیں، پھر ان کے تابعین، پھر تبع تابعین، صحابہ کرام کی سیرت کو اگر علم وایمان اور بصیرت کی روشنی میں پڑھا جائے تو اس سے بھی انبیاء کے بعد ان کا سب سے افضل ہونا قطعا ثابت ہوتا ہے، مزید برآں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ مخلوقات میں سب سے افضل ہیں، اور آپ کی امت نص قرآنی کے مطابق سب سے بہترین امت ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "كنتم خير أمة أخرجت للناس" (آل عمران:۱۱۱) یعنی تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

لہذا آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور آپ کا حق، صحبت، ایمان، جہاد، ہجرت، نصرت اور اخلاص واتباع کامل کے ساتھ ادا کرنے والے صحابہ کرام پہلے کے لوگ اور اس امت کے بعد کے لوگوں میں سب سے برگزیدہ وافضل ہوئے، یہی اصحاب رسول، رسول اللہ ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ ہیں، انہیں سے امت نے قرآن مجید اور احادیث رسول حاصل کیا ہے، لہذا صحابہ کرام کی عیب جوئی دراصل رسول اللہ کی عیب جوئی ہے بلکہ آپ کی تکذیب ہے کہ آپ نے ان صحابہ کے فضائل ومناقب اپنی احادیث میں بیان کئے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ رسول کے رازدار صحابہ اور جانشینان رسول بڑے برے لوگ تھے تو پھر رسول کی عظمت کہاں باقی رہی، صحابہ کرام کی عیب جوئی سے شریعت اسلامیہ کی ثقاہت بھی ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ رسول سے شریعت کے نقل کرنے والے یہی صحابہ کرام ہیں اور یہ دراصل اللہ کی بھی عیب جوئی ہے کہ اپنے آخری رسول کا ساتھ نبھانے کے لیے صحابہ جیسی بدترین مخلوق کو اللہ نے چنا، أعاذنا الله من ذلك، اصحاب رسول کے متعلق تفریق اور تکفیر وتنقیص کا رویہ رکھنے والے غلو پسند اور جفا پیشہ لوگ آخر اس امت کو تباہی کے کس سمندر میں ڈھکیلنے کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام میں کچھ نزاعات واقع ہوئے اور یہ شہادت عمر بن خطاب سے شروع ہوا اور شہادت عثمان کے بعد نہایت سخت ہو گیا جس سے نوبت جنگ وقتال تک پہنچ گئی، اہل السنۃ والجماعۃ ان نزاعات صحابہ کے متعلق اعتدال کا راستہ اپناتے ہوئے سکوت اختیار کرتے ہیں، اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر ایک نے شریعت کی اساس پر اجتہاد کی روش اختیار کی ہے، ہر ایک کا گمان تھا کہ وہ حق پر ہے، اپنے متعلق باطل پر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے انہوں نے مدمقابل سے نزاع قائم نہیں کیا ہے، اگرچہ یہ لازم نہیں ہے کہ اپنے اجتہاد میں ہر ایک حق پر ہو، لیکن خطاء اجتہاد پر بھی وہ ثواب کے مستحق ہیں، جیسا کہ ہمارے نبی کی حدیث ہے: اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، واذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر۔ (بخاری:۷۳۵۲) یعنی حاکم فیصلہ کرتے ہوئے جب اجتہاد کرے اور حکم شرع پالے تو اسے دو اجر ملیں گے اور جب فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملے گا، کہ اس نے حکم شرع معلوم کرنے کی جستجو کی، اس اساس پر صحابہ کرام سے جن نزاعات میں خطائیں ہوئیں تو وہ کم از کم ایک اجر وثواب کے مستحق ہیں۔

صحابہ کرام جن میں اہل بیت رسول بھی شامل ہیں کے متعلق یہ معتدل موقف تمام پہلوؤں سے بابرکت، سرچشمۂ خیر، امت کی فلاح وصلاح کا ضامن، اور شریعت اسلامیہ کی ثقاہت وعدالت کو قائم ودائم اور لازوال رکھنے کا سب سے بہترین راستہ ہے، اللہ کرے امت محمدیہ اس راہ کو پہچان لے اور امن وسلامتی کے نئے دور کا آغاز کرے۔

نزاعات صحابہ سے متاثرین میں سے کچھ نے عام صحابہ کرام کو باچھیں کھول کھول برا کہنا شروع کر دیا اور اہل بیت کو معصوم کہنا شروع کر دیا اور کچھ نے اہل بیت کو کافر وجہنمی کہنا شروع کر دیا، غور فرمائیے دونوں ہی اصحاب رسول ہیں، غلو وجفا نے ان کی کیا درگت بنائی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ ان نزاعات میں سکوت اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی روش کا نتیجہ ہے کہ آج بھی اعتدال کا راستہ روشن اور حق کی شاہراہ کھلی ہوئی ہے، اگر چہ فضا طوفان اور رنگ برنگے غباروں سے اٹی ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اس سلسلہ میں دوٹوک بات فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصحاب کرام کی خرابیوں کے متعلق مروی آثار کچھ تو جھوٹ ہیں کچھ میں کمی بیشی کی گئی ہے اور جو صحیح آثار ہیں ان میں وہ معذور ہیں یا تو حق کو پالینے والے مجتہد ہیں یا خطا میں واقع ہوجانے والے مجتہد ہیں، ساتھ ہی اہل السنۃ والجماعۃ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ ہر ایک صحابی کبائر وصغائر گناہوں سے معصوم ہے بلکہ ان سے گناہوں کا صدور ممکن ہے، لیکن صحابہ کرام کا یہ امتیاز ہے کہ ان کے سوابق وفضائل اگر ان سے خطائیں سرزد ہوں تو ان کی مغفرت کو واجب کرنے والے ہیں، حتی کہ ان کی سیئات کی مغفرت اس طرح ہوتی ہے جو بعد کے لوگوں کے لیے نہیں ہوئی، اس لیے کہ ان کی حسنات جو سیئات کو مٹا دیتی ہیں، ایسی ہیں جو ان کے بعد کے لوگوں کے پاس نہیں ہیں، اور یہ ''خیر القرون'' اور ''مداحدھم'' والی حدیثوں سے واضح ہے، پھر اگر کسی صحابی سے کوئی گناہ صادر ہو تو اس نے اس سے توبہ کر لی ہوگی یا ایسی نیکیاں کی ہوں گی جو اس گناہ کو مٹا دے یا سوابق وفضائل کی بنیاد پر اس کی مغفرت کر دی گئی ہو، یا محمد ﷺ کی شفاعت سے ان کی مغفرت کر دی جائے جو دیگر سارے لوگوں سے بڑھ کر آپ کی شفاعت کے حق دار ہیں، یا دنیا کی کسی ابتلاء میں وہ ڈالے گئے ہوں جو ان کی خطاؤں کا کفارہ بنا دی گئی ہو، جب ثابت شدہ لغزشوں کا معاملہ ایسا ہے تو اجتہادی امور کی خطاؤں کا معاملہ تو بالکل دیگر ہے، اگر درستی کو پہنچے تو دو اجر اور اگر چوک ہوگئی تو ایک اجر اور خطا بخش دی گئی، پھر ان کے فضائل ومحاسن کے مقابل ان میں سے بعض کے جس قدر فعل کی نکیر کی جاتی ہے وہ بے حد تھوڑا اور حقیر ہے۔

(۶) اہل بیت نبی ﷺ کا ہر دور میں مسلم معاشروں میں بڑا احترام رہا ہے اور ان سے بڑی محبت کی جاتی رہی ہے، لہذا نہایت ادب واحترام سے عرض ہے کہ انہیں بھی ہمیشہ قرآن وسنت کا علم بردار رہنا چاہئے تاکہ مسلم معاشرہ اپنے اصل اوصاف پر قائم رہے اور وہ خود مسلم معاشرہ پر اور مسلم معاشرہ غیروں پر بوجھ نہ بن سکیں۔

اس عزت واحترام کے حصول کے لیے بہت سے لوگ ناحق اور مصنوعی طور پر اپنے کو اہل بیت نبی سے منسوب کرنے لگتے ہیں، یہ معاشرہ کے لیے تو مفاسد کا باعث ہے ہی خود ایسا کرنے والوں کے لیے آخرت کی شدید وعید ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ نے سنائی ہے، آپ کا ارشاد ہے: "ليس من رجل ادعى بغير أبيه وهو يعلمه الا كفر بالله، ومن ادعى قوما ليس له فيهم نسب فليتبوأ مقعده من النار" (بخاری: ۳۵۰۸) یعنی جو شخص جانتے ہوئے اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے سے اپنی نسبت کرے تو اس نے کفر کیا، اور جو شخص ایسی قوم سے اپنا انتساب کرے جس سے اس کا نسب نہیں ہے تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے۔

یعنی اہل بیت نبی ﷺ سے ناحق انتساب اور ان سے متعلق مصنوعی طور پر اپنے ہم نسب ہونے کا دعوی کفر بھی ہے اور جہنم میں جانے کا سبب بھی، اللہ تعالی مسلمانوں کو دینی احساس وشعور واصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

سفر حج سے متعلق چند اہم امور

شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر
ترجمان سپریم کورٹ، الخبر

عازمین حج چونکہ حج بیت اللہ کے لئے پابہ رکاب ہیں اس لئے ایسے امور کی طرف نشان دہی کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو حجاج بیت اللہ کا مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے کیونکہ حج کے مقبول ومبرور ہونے میں ان امور کا گہرا دخل ہے اور اوروہ درج ذیل ہیں:

۱-تقوی:

ہر عازم حج کو چاہئے کہ اللہ تعالی سے ڈرتا رہے، تقوی وپرہیز گاری اختیار کرے اور مقدور بھر کوشش کرے کہ پورے سفر حج اور ادائے مناسک کے دوران کسی ایسے کام کا ارتکاب نہ کرنے پائے جسے بحالت احرام اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ممنوع قرار دیا ہے، مثلا بیہودہ اور شہوانی افعال، لڑائی جھگڑا اور دیگر فسق وفجور، کیونکہ سورہ بقرہ آیت ۱۹۷ میں ارشاد الہی ہے:

﴿ الحج أشهر معلومات، فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج وما تفعلوا من خير يعلمه الله ﴾ (البقرة:۱۹۷)

حج کے مہینے مقررہ معلوم ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ لے تو شہوت کی باتیں، گناہ اور جھگڑا نہ کرے اور جو نیک کام تم کروگے اللہ کو معلوم ہوجائے گا۔

ایسے ہی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جس نے حج کیا اور اس دوران اس سے کوئی شہوانی امر اور گناہ کا کام سرزد نہ ہو تو وہ شخص گناہوں سے ایسے پاک ہوکر لوٹا کہ گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔

اس ارشاد نبوی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوران حج ان افعال کا ارتکاب کرنا نہ صرف منع ہے بلکہ کفارہ ذنوب وسیئات کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بھی ہے، اور حج کے مقبول ومبرور ہونے میں ایک مانع کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲-توبہ:

ہر حاجی کو چاہئے سفر حج پر روانگی سے قبل اپنے سابقہ تمام گناہوں کی اللہ تعالی سے معافی مانگے اور خلوص نیت کے

ساتھ توبہ کرلے کیونکہ سورہ نور آیت ۳۱ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وتوبوا الى الله جميعا أيها المؤمنون لعلكم تفلحون ﴾ (النور:۳۱)

اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف تائب ہوجاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور یاد رہے کہ پرخلوص توبہ وہ ہوتی ہے جس میں:

۱- گناہوں سے کلی وفوری اجتناب اختیار کیا جائے۔

۲- آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد مصمم اور عزم جازم و پختہ ارادہ کیا جائے۔

۳- سابقہ گناہوں پر ندامت وشرمندگی کا اظہار کیا جائے۔(۱)

اگر توبہ کرلینے کے بعد اپنے آپ کو ان امور پر سختی سے پابند پائے تو سمجھ لو کہ اس کی توبہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات غفاری نے قبول کرلیا ہے اور اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیئے ہیں اور اس بات کی گواہی سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

" التائب من الذنب كمن لا ذنب له " (۲)

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔

۳-حقوق وامانات کی ادائیگی:

اللہ کے گھر کی طرف روانگی سے پہلے دوسرے لوگوں کے حقوق اور امانتیں ادا کردے، کسی پر کوئی ظلم وزیادتی کی ہو تو اس سے معافی مانگے، کسی سے کوئی قرضہ لیا ہوا ہو اور تاحال واجب الاداء ہو تو وہ دے کر جائے یا کم از کم لکھ کر یا ویسے ہی اپنے گھر والوں کو اچھی طرح سمجھا دے کہ فلاں شخص کی فلاں چیز میرے پاس امانت ہے یا اس کا میں نے اتنا قرض لیا ہے تاکہ

(۱) صحیح حدیث میں ہے ''الندم توبة'' ندامت توبہ ہے، یہ حدیث عبداللہ بن مسعود، انس، ابوہریرہ، اور دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: (۱) حدیث ابن مسعود کو ابن ماجہ (۴۲۵۲) ''الزھد'' طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/۳۳) میں حاکم (۴/۲۴۳) طیالسی (۲/۷۷) احمد (۱/۳۷۶، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۳۳) ابویعلی (۴۹۶۹، ۵۰۸۱، ۵۱۲۹) قضاعی (۱۳، ۱۴) خطیب بغدادی نے ''الموضح'' (۱/۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۰) اور مزی نے ''تھذیب الکمال'' (۹/۵۱۱، ۵۱۳) میں روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے حاکم، ذہبی اور بوصیری نے بھی (مصباح الزجاجة (۱۵۲۱) میں اس کو صحیح کہا ہے، (۲) حدیث انس کو بزار (۳۲۳۹، زوائد) ابن حبان (۲۴۵۲) اور حاکم (۴/۲۴۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، (۳) حدیث ابوہریرہ کو طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۶۹۸) میں روایت کیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو ابن ماجہ (۴۲۵۰) ''الزھد'' طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۱۰/۱۸۵) اور ''الدعاء'' (۱۸۰۷) میں سہمی نے ''تاریخ جرجان'' (۳۹۹) میں ابونعیم نے ''حلیة الاولیاء'' (۴/۲۱۰) میں، قضاعی نے ''مسند الشھاب'' (۱۰۸) میں اور خطیب نے ''الموضح'' (۱/۲۵۸) میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے، اس کی سند تو منقطع ہے مگر اس کے بعض شواہد ہیں جن کی بناء پر حافظ ابن حجر اور شیخ السہمی نے اس کو حسن کہا ہے، ملاحظہ ہو ''الاحادیث الضعیفة'' (۶۱۵-۶۱۶)

بوقت ضرورت ومہلت وہ ادا کرسکیں، اس سلسلہ میں سورہ نساء آیت: ۵۸ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إن الله يأمركم أن تودوا الأمانات الى أهلها ﴾ (النساء:۵۸)

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس لوٹادو۔

۴-خلوص وللّٰہیت:

سفر حج پر روانگی کے وقت اسے یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے اندر خلوص وللّٰہیت پیدا کرے، ویسے تو تمام اعمال میں ہی اخلاص قبولیت عمل کی بنیادی شرط ہے مگر خصوصا حج وعمرہ کے اس جلیل القدر عمل کو ریاء کاری، شہرت اور فخر ومباہات کا ذریعہ ہرگز نہیں بنانا چاہئے جیسا کہ بعض لوگ یہ غلط روش اختیار کرتے ہیں کہ گھروں کو جھنڈیوں سے سجایا جاتا ہے، دروازوں پر محرابیں بنائی جاتی ہیں، انہیں رنگ وروغن کیا جاتا ہے اور دروازے پر ''حج مبارک'' اور تاریخ وغیرہ لکھی جاتی ہے اور حاجی کو بہت بڑے جلوس کی شکل میں الوداع کیا جاتا ہے، یہ سب نمود ونمائش، ریاء ودکھلاوا اور فخر ومباہات نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم کے متعدد مقامات پر ایسے افعال سے روکا اور اخلاص کی تعلیم دی ہے جیسا کہ سورہ بینہ آیت: ۵ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وما أمروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين ﴾ (البينة:۵)

لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں، دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔

۵-مال حلال:

حج وعمرہ پر جانے کے لئے حلال وپاکیزہ مال استعمال کیا جائے جس میں حرام کی آمیزش تک نہ ہو کیونکہ مسلم، ترمذی اور بعض دیگر کتب کی ایک صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ يا أيها الناس إن الله طيب ولا يقبل الا طيبا، وان الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال: يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا انى بما تعملون عليم ﴾ (المؤمنون:۵۱)

وقال: ﴿ يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم ﴾ (البقرة:۱۷۲)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف حلال وپاک مال کو ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو بھی وہی حکم فرمایا ہے جو انبیاء ورسل علیہم السلام کو فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: اے میرے رسولو! پاکیزہ وحلال چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو: میں جانتا ہوں اور ارشاد الٰہی ہے: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں وہ تم کھاؤ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جس کے اوصاف یوں تھے:

" يطيل السفر، أشعث، أغبر، يمد يديه الى السماء يقول: يا رب، يا رب ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام، فانى يستجاب لذلك؟ " (۱)

وہ لمبا سفر کر کے آتا ہے، اس کے بال پراگندہ ہوتے ہیں وہ گرد وغبار سے اٹا ہوا ہوتا ہے وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یا رب یا رب کہتا ہے جب کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام، اس کا پہننا حرام اور اس کی ساری غذا بھی حرام سے ہے، بھلا ایسے شخص کی دعائیں کہاں سنی جائیں گی؟

اس ارشاد گرامی کو پیش نظر رکھ کر وہ لوگ ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر سوچیں جن کے ذرائع روزگار ہی سراسر غیر شرعی، غیر قانونی اور ناجائز وممنوع کاروبار ہیں، ایسے کاروبار سے حاصل شدہ مال خرچ کر کے اس سے حج بھی کیا اس حدیث شریف میں مذکور شخص کے واقعہ سے درس عبرت حاصل کریں، جو سود (Loan) پر ہی کام کرتے ہیں حتی کہ حج کرنے کے لئے بھی بینکوں سے لون (سودی قرض) لیتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ارشاد نبوی ان کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔

۶-ممنوع زیب وزینت:

بعض حجاج کرام زیب وزینت کے زعم میں داڑھی کو خوب صاف کر کے (منڈوا کر) احرام باندھتے اور لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں، حالانکہ داڑھی منڈوانا یا مونڈنا فسق وگناہ ہے اور اس بات کا غالبا ہر مسلمان کو علم ہے کہ سنت رسول ﷺ بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام داڑھی بڑھانا ہے، صحیح بخاری ومسلم اور نسائی شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" خالفوا المشركين، احفوا الشوارب وأوفوا اللحى " (۲)

مشرکین کی مخالفت کرو، (اس طرح کہ) مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

---

(۱) یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کو مسلم (۷/۱۰۰) ''الزکاۃ'' ترمذی (۲۹۸۹) ''التفسیر'' دارمی (۲/۳۰۰) ''الرقاق'' عبدالرزاق (۸۸۳۹) احمد (۲/۳۲۸) اور بیہقی نے ''الآداب'' (۴۸۴) میں روایت کیا ہے، ابو ہریرہ کی ایک دوسری حدیث میں ''جو شخص مال حرام سے حج کے لئے جاتا ہے جب وہ ''لبیک اللھم لبیک'' کہتا ہے تو آسمان سے ایک منادی اسے نداء دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا ''لبیک'' کہنا مقبول نہیں، تیرا مال حرام کا ہے، تیرا زاد سفر اور سواری مال حرام سے ہے'' (مختصراً) اس حدیث کو بزار (۱۰۷۹) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند سلیمان بن داؤد یمامی کی وجہ سے ضعیف ہے، کامل بن عدی (۳/۹۷۳) میں اسی معنی کی مگر مختصر ایک روایت عمرؓ سے بھی مروی ہے اور یہ بھی ضعیف ہے، ابن عدی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) اس حدیث کو بخاری (۵۸۹۲، ۵۸۹۳) ''اللباس''، مسلم (۳/۱۳۷) ''الطہارۃ'' ابوعوانۃ (۱/۱۸۹) ابوداود (۴۱۹۹) ''الترجل'' ترمذی (۲۷۶۳، ۲۷۶۴) ''الأدب'' نسائی (۱/۱۶، ۸/۱۸۱، ۱۸۲) ''الطہارۃ والزینۃ'' احمد (۲/۱۶، ۱۵۶) اور بیہقی نے ''السنن'' (۱/۱۵۱) اور ''الآداب'' (۶۹۱) میں مختلف سندوں سے نافع کے واسطے سے ابن عمرؓ سے مروی ہے، مسلم اور ابوعوانہ میں یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، اس میں ''مشرکین'' کی بجائے ''مجوس'' کی مخالفت کا حکم ہے، ابوعوانہ میں حدیث ابن عمرؓ میں بھی مجوس کی مخالفت کا ذکر ہے۔

آرائش وزیبائش کے گمان سے بھی بعض حجاج سونے کی انگوٹھی یا چین پہن لیتے ہیں جبکہ سونے کا استعمال مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے، جس کی تفصیل کتب حدیث میں مذکور ہے اور خاص انگوٹھی کے بارے میں تو صحیح بخاری ومسلم میں ایک حدیث موجود ہے جس میں ہے:

" نهى رسول الله ﷺ عن خاتم الذهب " (۱)

نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے (مردوں کو) منع فرمایا ہے۔

اور گلے میں سونے کی چین ڈالنا بھی اسی طرح ممنوع ہے، اور یہ دونوں کام (مردوں کے لئے انگوٹھی یا چین پہننا اور داڑھی منڈوانا) تو عام حالات میں بھی ممنوع ہیں، چہ جائیکہ حجاج کرام اور زائرین حرمین شریفین روانگی کے وقت اور نیکی وتقوی کے اس سفر کے دوران ان کا ارتکاب کریں؟ اور اگر اس نیک سفر کو ایسے امور سے پاک نہ رکھا تو حج وعمرہ کے مبرور ہونے کا معاملہ مخدوش ہو جائے گا۔

۷-شرک وبدعات:

اس سلسلہ کی ساتویں، آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس سفر مبارک کو شرک وبدعات کی تمام انواع واقسام اور آلائشوں سے محفوظ رکھا جائے کیونکہ شرک وہ مرض ہے جو انسان کے تمام اعمال کو اکارت وضائع کر دیتا ہے، سورہ انعام کے دسویں رکوع میں اللہ تعالی نے اٹھارہ جلیل القدر انبیاء ورسل علیہم السلام کے نام لے لے کر ان کے مقام ومرتبہ کو بیان فرمایا اور آیت:۸۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿ ولو أشركوا لحبط عنهم ما كانوا يعملون ﴾ (الانعام:۸۹)

اگر ان (انبیاء) نے بھی شرک کیا ہوتا تو ان کے بھی تمام اعمال اکارت وضائع ہو جاتے۔

اور خاص امام الانبیاء والرسل حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر سورہ زمر، آیت ۶۵ میں فرمایا:

﴿ ولقد أوحى اليك والى الذين من قبلك لئن أشركت ليحبطن عملك ولتكونن من الخاسرين ﴾

آپ کی طرف اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف وحی کی جا چکی ہے کہ اگر آپ بھی شرک کریں تو یقیناً آپ کا سارا عمل بھی ضائع ہو جائے گا اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اندازہ فرمائیں! شرک کے معاملہ میں جب انبیاء ورسل علیہم السلام کو اس طرح خطاب فرمایا گیا ہے تو ان کے سامنے

(۱) اس حدیث کو بخاری (۵۸۶۴) مسلم (۶۵/۴) نسائی (۱۷۰/۸-۱۹۲) اور بیہقی نے "الآداب" ۶۵۸ میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ ہمیں تو اور بھی اپنی ساری زندگی کو اس مرض خطیر سے محفوظ رکھنا چاہئے اور خصوصا زائرین دیار مقدس کو اس سفر سعادت میں اپنے آپ کو شرک سے بچا کر رکھنا چاہئے۔

اور شرک کی طرح ہی اپنے آپ کو انواع واقسام کی بدعت سے بھی بچانا چاہئے اور ہر کام سے اجتناب کرنا چاہئے، جو بظاہر کتنا ہی بھلا معلوم کیوں نہ ہوتا ہو مگر اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے کچھ نہ بتایا اور نہ ہی خود کیا ہو، خلفاء وصحابہ کرام ؓ کے تعامل سے بھی جس کا ثبوت نہ ملتا ہو، کیونکہ ہر ایسا کام ''ایجادنو'' یا بالفاظ دیگر بدعت شمار ہوگا بشرطیکہ اسے دین اور نیکی وثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے، کیونکہ بدعات کی نہ صرف یہ کہ عنداللہ کوئی حیثیت و قیمت نہیں بلکہ یہ صاحب بدعت کے لئے باعث وبال ہیں، چنانچہ سورہ نور آیت ۶۳ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم ﴾ (النور:۶۳)

جولوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نہ آجائے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ارشاد نبوی ہے:

" من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد أو فى لفظ آخر: من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد " (۱)

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ مردود ہے (اور ایک روایت کے الفاظ ہیں) جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں وہ مردود ہے۔

جبکہ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

" ..... وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار ". (۲)

اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں نو ایجاد کردہ ہیں اور دین میں ہر ایجادنو بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (اور نسائی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

☆☆☆

(۱) یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے "من عمل عملا ....." کے الفاظ سے یہ مسلم (۱۲/۱۶) ''الأقضية'' میں ہے، اور "من أحدث ....." کے الفاظ سے اس کو بخاری (۲۶۹۷) ''الصلح''، مسلم ابوداود (۴۶۰۶) ''السنة'' اور ابن ماجہ (۱۴) وغیرہ میں ہے۔

(۲) یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے ہے، اس کو مسلم (۶/۱۵۳) نسائی (۳/۱۸۸، ۱۸۹) اور ابن ماجہ (۴۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حج، اسلامی شعائر کا سب سے عظیم مظہر

حج بیت اللہ ایک عظیم عبادت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ یا اس سے بھی پہلے سے ادا کیا جاتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کا ایک اہم رکن بنایا اور جو حج بیت اللہ کی استطاعت رکھتا ہو اس پر زندگی میں ایک بار فرض قرار دیا اور استطاعت کے بعد نہ کرنے پر سخت وعید فرمائی۔

حج کے ایام:

جس طرح تمام عبادتوں کے لئے وقت مقرر ہے اسی طرح حج کے لئے بھی وقت مقرر فرمایا۔ نماز پنجگانہ کو وقت کے ساتھ فرض کیا۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے وقت اور سال متعین فرمایا۔ روزہ کی فرضیت کا مہینہ متعین کیا اسی طرح فرمایا "**اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ**" (۱) یعنی حج کے لئے خاص معلوم مہینے ہیں جن میں حج کے لئے احرام باندھا جاتا ہے، اور یہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں، پھر فرمایا "**فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ**" جو ان مہینوں میں حج کے لئے احرام باندھے (حج کے لئے احرام کو فرض سے تعبیر کیا کیونکہ جو احرام باندھتا ہے تو اس پر اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے) (۲) "**فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ**" پھر نہ جنسی تعلق ہے اور نہ گناہ کے کام اور نہ لڑائی جھگڑا حج میں سب منع ہے۔ "**وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ**" اور جو نیکی و بھلائی کا کام کروگے اللہ سب کو جان لے گا۔ "**وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى**" اور زاد سفر لے کر چلو بہتر زاد راہ تقویٰ ہے۔ پھر فرمایا: "**وَاتَّقُوْنِ يَا أُوْلِي الْأَلْبَابِ**" (۳) اے عقلمندو! مجھ سے ڈرو۔ (یعنی میری پکڑ اور سزا سے بچو) عقلمندوں کو خاص طور سے مخاطب کیا۔ کیونکہ یہی لوگ مسائل پر غور کرتے ہیں، صحیح و غلط کی تمیز رکھتے ہیں اور سعادت کی راہ پاتے ہیں۔

حج ایک عظیم عبادت:

حج ایک ایسی عظیم عبادت ہے جس سے انسان کے جسم، اس کے مال اور اس کے نفس و ایمان سب کا تعلق ہے، جب ایک انسان حج کے لئے احرام باندھ لیتا ہے تو اس پر کئی طرح کی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، نہ حجامت بنا سکتا ہے نہ ناخن تراش سکتا ہے، نہ بدن پر خوشبو لگا سکتا ہے، لباس بھی وہی جو حج کے لئے خاص قرار دیا گیا، حج کی ادائیگی کے لئے صحت و تندرستی بھی شرط ہے۔

اپنا حلال مال ہی استعمال کرنا ہے، اگر کسی کے پاس اپنا حلال مال ادائیگیٔ حج کے لئے کافی نہیں تو حج فرض نہیں ہوتا، کسی دوسرے کے مال کو غصب کر کے یا ناجائز طریقہ سے کمائی ہوئی دولت سے بھی حج ادا نہیں ہوگا، اور سب سے بڑی بات

(۱) سورہ بقرہ: ۱۹۷۔ (۲) تفسیر ابن کثیر، وعام کتب تفسیر۔ (۳) سورہ بقرہ: ۱۹۷۔

دل کی صفائی اور گناہوں سے کنارہ کشی وتوبہ اور انابت إلی اللہ ہے۔

حج میں توحید کا درس:

حج میں توحید کا سب سے بڑا درس ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾(۱) اور (یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتلائی کہ میرے ساتھ کسی طرح کا شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف، قیام اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھنا۔

اور اللہ کے رسول محمد ﷺ نے حج کی نیت کے لئے جو الفاظ ودعا بتائی وہ خالص توحید کا اقرار ہے۔

ایک حاجی جب احرام باندھ کر نیت کرتا ہے تو سب سے پہلے **لَبَّيْكَ** پکارتا ہے۔ جس میں حاجی اللہ سے اقرار کرتا ہے کہ " **لَا شَرِيكَ لَكَ** " اے اللہ تیرا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔ اور اس کو بار بار دہراتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے گھر کے قریب پہونچ کر حجر اسود کا بوسہ دیتا ہے۔

یہ ایک جوش، ولولہ اور دل کی گہرائی سے کہے جانے والے الفاظ ہیں۔ اگر ایک حاجی کے قول وعمل میں ذرا بھی فرق ہو اور اپنی زندگی میں کسی طرح کے بھی شرکیہ اعمال میں ملوث ہو تو اس کو سچے دل سے توبہ کر کے خالص اللہ کے لئے حج کرنا چاہئے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (۲) حج وعمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔

حج انسانی مساوات کا عظیم مظہر:

حج ایک اجتماعی عبادت کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مناسبت بھی ہے جب اس روئے زمین پر بسنے والے انسان ہر خطہ سے اکٹھا ہوتے ہیں، یہ انسانی مساوات کا عظیم مظہر ہے جہاں حاکم ورعایا، امیر وغریب، کالے وگورے، چھوٹے وبڑے سب بلا امتیاز، ایک لباس، ایک نعرہ اور ایک مقصد کے لئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ ان کی مختلف زبان، مختلف تہذیب اور مختلف رنگ ونسل کے باوجود اخوت اسلامی سب کو باہم ایک امت کا نقشہ پیش کرتی ہے۔

حج کا طریقہ بھی ایک اور سنت بھی ایک:

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت ہے کہ ایسے عظیم الشان اور مثالی اجتماع کے لئے اس نے حج کی فرضیت کے بعد اپنے نبی محمد ﷺ سے ان کی زندگی میں صرف ایک بار حج کرایا، اور آپ کے ساتھ دور ونزدیک ہر جگہ کے مسلمانوں نے آپ کی اقتداء میں حج ادا کیا۔ آپ کے حج کا طریقہ اور آپ کی سنت بھی صرف ایک ہی حج سے ماخوذ ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دنیا کے ہر خطے سے اکٹھا ہونے والے مسلمان ایک ہی طریقہ پر حج ادا کریں۔

اگر آپ ﷺ نے مختلف سالوں میں خود حج کیا ہوتا تو مسئلہ میں اختلاف ہوسکتا تھا، مگر آپ کی سنت صرف ایک ہے

(۱) سورہ حج: ۲۶۔ (۲) سورہ توبہ: ۱۹۶۔

اور ایک ہی بار فرض ہے۔

حج کے اجتماع میں اللہ نے اپنی بہت سی نشانیوں کو دیکھایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا "**لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ**"(۱) تا کہ اپنے نفع کی چیزوں کا مشاہدہ کریں۔ دنیا میں انسان مختلف بود و باش کا عادی ہے اور مختلف النوع ضروریات کا حامل بھی اور اس عظیم اجتماع میں ہر طرح کے لوگوں سے ملاقات کا موقع ملتا ہے جس سے وہ دنیا کے مختلف خطے کے حالات جان سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے رزق کے مواقع بھی ڈھونڈ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے خود بیان کیا کہ "**لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ**" (۲) تم پر کوئی حرج نہیں کہ اپنے رب کے فضل کی تلاش کرو۔ غرض کہ دیکھا جائے تو حج مالی عبادت بھی ہے تو بدنی بھی، حج میں اللہ سے لگاؤ ہے تو انسانوں سے روابط بھی، حج میں اخروی فائدہ ہے تو دنیاوی منافع بھی۔ یہ عظیم مصلحتوں، نصیحتوں اور اللہ کی عظیم نشانیوں کا مظہر ہے۔ اور اللہ نے سچ فرمایا: "**وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ**" (۳) جو اللہ کے شعائر کی تعظیم بجالائے تو یہ دل کے تقویٰ کی نشانی ہے۔

ان سب کے اوپر جو سب سے بڑا فائدہ ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا ''من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه''(۴)

جو اللہ کے اس گھر کا حج کرے اور اس میں رفث اور فسق و فجور سے بچا رہے تو حج سے اس دن کی طرح لوٹتا ہوتا ہے جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے'' العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة''(۵) ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے درمیان (گناہوں کا) کفارہ ہے اور حج مبرور کا کوئی بدلہ نہیں ہے سوائے جنت کے۔

اتنے بڑے عظیم اجر کو پانے کے لئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ کے طریقہ پر حج کرے۔ اسی مقصد کو پانے کے لئے میں نے حج نبوی کا تفصیلی مطالعہ کیا اور حدیث و سیرت کی مستند کتابوں سے جو حاصل کیا اس کو اس کتاب میں قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

ماخوذ از کتاب ''حج مبرور''
تالیف: عبداللہ سعود بن عبدالوحید

☆☆☆

(۱) سورہ حج: ۲۸۔ (۲) سورہ بقرہ: ۱۹۸۔ (۳) سورہ حج: ۳۲۔
(۴) صحیح بخاری: ۱۷۲۳، صحیح مسلم: ۱۳۵۰۔ (۵) صحیح بخاری: ۱۶۸۳، صحیح مسلم: ۱۳۴۹۔

دینی مدارس کا نصاب

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ

دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں اصلاح وترمیم کا موضوع عرصہ سے زیر بحث ہے، اس سلسلہ میں متعدد چھوٹے بڑے اقدامات بھی ہوئے، لیکن مذکورہ بحث ہنوز جاری ہے، اس بحث کی سنجیدگی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ دینی مدارس کے ذمہ داران وعلماء اس سے دل چسپی لے رہے ہیں، اس سلسلہ کی خوش آئند بات یہ ہے کہ موجودہ بحث میں عصری تعلیمی اداروں کے ماہرین حصہ لے رہے ہیں، اور نصابی اصلاح کے ذریعہ دینی تعلیم کو مزید مؤثر بنانے کے اپنے مقصد کا اظہار کررہے ہیں، مسلمانوں میں ایک طویل عرصہ سے دونوں طرح کی تعلیم سے متعلق افراد ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے اور ان کے مابین کسی طرح کی مفاہمت یا تعاون نہ تھا، لیکن اب جو صورت حال پیدا ہوئی ہے، اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ عصری تعلیم سے متعلق حساس وبابصیرت افراد دینی تعلیم کے اداروں پر توجہ مبذول کررہے ہیں، اور مدارس کے لوگ بھی اس اقدام سے مطمئن نظر آرہے ہیں، اس سے یہ امید قائم ہوتی ہے کہ دینی وعصری تعلیم کے ماہرین کی کوششوں سے ضرور کوئی اچھی راہ نکلے گی، دینی مدارس کے نصاب سے متعلق ہمارے ذہن میں چند باتیں ہیں جنہیں آئندہ سطور میں ہم پیش کررہے ہیں، امید ہے کہ اہل نظر ان پر توجہ فرمائیں گے، اور اگر کہیں کوئی سقم نظر آئے گا تو آگاہ فرمائیں گے۔

دین اسلام کی جامعیت اور اس کا تقاضہ

دینی مدارس کی نسبت دین اسلام کی طرف ہے، اس لیے ایک نظر اس دین کی وسعت وجامعیت پر ڈالنا مناسب ہوگا، اس سے ہمیں مضمون کے بعض حصوں میں روشنی ملے گی۔

اللہ تعالی نے اسلام کو آخری اور دائمی دین اور مکمل نظام حیات بنا کر بھیجا ہے، اس دین نے سابقہ آسمانی ادیان کو اسی لیے منسوخ قرار دیا ہے کہ اسلام کی وسعت وجامعیت کے بعد اب ان کی تعلیمات کی ضرورت باقی نہیں رہی، اسلام کے خلود وابدیت اور وسعت وجامعیت کی توضیح قرآن کی متعدد آیات اور صحیح احادیث میں تفصیل سے وارد ہے، اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت ۸۵ میں اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین اور نظام حیات کو اختیار کرنے کے بعد انسان کو بارگاہ الہی سے سند قبولیت نہیں مل سکتی اور ایسا شخص آخرت میں سخت گھاٹے سے دوچار ہوگا۔

خالق کائنات نے جس دین کو انسانیت کی دائمی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے اس کی بنیادی تعلیمات اور اصول ونظریات میں یقیناً ایسی وسعت وصلاحیت رکھی ہوگی، جس سے آنے والے ہر دور میں انسانی ذہن وفکر کی تخلیقات اور بشری طبائع کی بلند پروازیوں کی تسکین ہوسکے، سید حامد صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، نتیجہ لامحالہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارا دین زندگی کے سارے

گوشوں کو محیط ہوگا، وہ خانقاہ میں جا بیٹھنے کی تعلیم دینے کے بجائے عملی زندگی میں ہماری رہنمائی ہر قدم پر کرے گا، ہم جانتے ہی ہیں کہ عملی زندگی میں دین تو آتا ہی ہے، دنیا اپنی ساری وسعتوں، پیچیدگیوں اور رعنائیوں کے ساتھ داخل ہو جاتی ہے''۔ (تہذیب الاخلاق مئی ۱۹۸۷ء، ص ۱۷)

علم ومعرفت سے متعلق اسلام کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دین کی مذکورہ حیثیت کو ذہن میں رکھیں، اور اس کی عطا کردہ آفاقیت کی روشنی میں اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کریں۔

علوم کی دینی ودنیوی تقسیم

دینی مدارس اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا ذکر جب آتا ہے تو فوراً علوم کی تقسیم کی بحث آجاتی ہے، میرے محدود وناقص خیال میں اس تقسیم پر جن تاثرات کا اظہار کیا جاتا ہے ان میں مزید واقعیت پسندی کی ضرورت ہے۔

علوم کی دینی ودنیوی تقسیم سے صرف نظر کے باوجود ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ان علوم کی متعدد قسمیں اور شاخیں ہیں جن میں سے بعض کا اسلامی شریعت سے براہ راست تعلق ہے اور بعض کا بالواسطہ، شریعت فہمی کے لیے علوم کی یہ دونوں قسمیں جس قدر ضروری ہیں ویسی ضرورت دوسرے علوم کی نہیں ہے، دینی مدارس کا قیام شریعت فہمی کے بنیادی مقصد کے لیے وجود میں آیا تھا، اس لیے ان مدارس کے ذمہ داران کی نظر میں مذکورہ دونوں قسموں کی اہمیت تھی، اور انہیں کی تدریس واشاعت کے لیے وہ کوشاں تھے، دیگر علوم کی تحصیل کے جواز وعدم جواز کی جو بحث اس سلسلہ میں وجود میں آئی وہ بلاشبہ غلط اور بے موقع تھی، لیکن مدارس کو چونکہ انتہائی ناہموار حالات کا سامنا رہا، اس لیے اس مسئلہ میں شدت وجانبداری راہ پا گئی اور عام علوم کے سلسلے میں دو طرح کے ذہن بن گئے، دینی مدارس میں علوم شرعیہ کی تحصیل پر ان مدارس کے ذمہ داران کا اصرار بے جا نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ہندوستان پر سامراجی تسلط کے جس دور میں یہ مدارس قائم ہوئے تھے، اس میں عربی زبان اور اسلامی ثقافت وتمدن کو زبردست خطرہ لاحق تھا، مسلمانوں نے اپنی بے مائیگی کے باوجود مدارس کے قیام کا فیصلہ اسی لیے کیا تھا کہ اس کے بغیر شرعی علوم کے تحفظ کی کوئی صورت نہ تھی، لیکن اس موقع پر مدارس کے ذمہ داران اور مذہبی قائدین کے لیے توجہ کا ایک پہلو یہ تھا کہ تہذیب وثقافت کے میدان میں مسلم قوم کا ایک ماضی تھا جس سے رابطہ استوار رکھنے کی ضرورت تھی، اس قوم نے جس طرح دنیا والوں کو اللہ تعالی کے نازل کیئے ہوئے دین ہدایت سے آشنا کیا تھا، اسی طرح انہیں علم وفن کے میدان میں ترقی کی راہ دکھائی تھی، بعد کے دور میں مسلم رہنماؤں کا فرض تھا کہ وہ اپنے علمی ماضی سے رشتہ استوار رکھتے اور علوم شریعت پر توجہ کے ساتھ ساتھ دیگر علوم کی تدریس واشاعت کی جانب بھی رہنمائی کرتے، تاکہ ان پر علم کی تقسیم وحد بندی کا الزام عائد نہ ہوتا، اس موقع پر یہ سوال البتہ پیدا ہوگا کہ جب دینی مدارس شریعت فہمی کے لیے قائم کئے گئے تھے تو پھر ان کے نصاب میں قدیم منطق، فلسفہ اور ہیئت وغیرہ علوم کیسے راہ پا گئے جن کی فہم شریعت میں کوئی خاص اہمیت نہیں؟ یہ سوال یقیناً وقیع ہے، اور ہمیں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ مذکورہ علوم کی شمولیت سے دینی مدارس کو نقصان پہنچا اور وہ اپنے اصل مقصد سے دور ہو گئے، رہی یہ

بات کہ ان علوم کو دینی مدارس میں کب اور کیوں داخل کیا گیا، تو اس وقت اس بحث میں پڑنے کے بجائے یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ جب یہ علوم غیر مفید ہو چکے ہیں تو پھر ان کو کس طرح نصاب سے خارج کیا جائے اور ان کی جگہ کون سے دوسرے مضامین داخل کیے جائیں؟

دوگونہ نظام تعلیم

دینی مدارس کے نصاب کی اصلاح سے متعلق گفتگو کے دوران نظام تعلیم کی ثنویت واز دواجیت پر نظر جاتی ہے، غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی سے متعلق بہت سے مسائل اسی نظام کی پیداوار ہیں، ایک طرف عصری علوم کے ادارے ہیں جہاں نہ دینی تعلیم ہے نہ دینی ماحول اور دوسری طرف دینی تعلیم کے ادارے ہیں جن کی تمام تر توجہ شرعی علوم کی تدریس واشاعت پر مرکوز ہے، اور عصری علوم سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں، ثنویت کا یہ نظام جب بھی وجود میں آیا ہو اور اس کی ضرورت جو بھی رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اس سے زبردست نقصان پہنچا ہے، اور ان کی تعلیمی پسماندگی میں اس کا غیر معمولی دخل ہے۔

تعلیم ایک مقدس و بامقصد فریضہ ہے، اسی سے سیرت وکردار کی تعمیر ہوتی ہے، انسان تہذیب وتمدن سے آشنا ہوتا ہے، دین ودنیا کی ترقی وبہبودی اسی پر موقوف ہے، اسی سے خداشناسی وخودشناسی کا جوہر پیدا ہوتا ہے، نیز فرد وجماعت کے بہتر مستقبل کی ضمانت حاصل ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ایسے عظیم عمل اور مقدس فریضہ کے خدوخال متعین کرنے اور اس کی تفصیلات طے کرنے میں انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اقدام کی ضرورت ہوگی، باہمی مشوروں اور مثبت بحث وتمحیص کے بعد جو کچھ طے ہوگا اسے منصوبہ بند طور پر عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہوگی، چند انقلابی آراء اور انفرادی ترجیحات سے اگر مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو کبھی کامیابی حاصل نہ ہوگی، بلکہ امت میں مزید انتشار اور بے چینی پیدا ہوگی، جدید دور میں سائنس وٹکنالوجی کے علوم مغرب میں پروان چڑھے اور پوری دنیا کو متاثر کیا، مادی ترقی کے میدان میں ان علوم کی اہمیت وبالادستی مسلم ہے، لیکن ان کا روحانی پہلو بے حد تشنہ ہے، اس کے بالمقابل مشرق کے قدیم اور روایتی علوم ہیں، جن کا موجودہ مادی ترقی میں مؤثر کردار نہیں، البتہ مسلمانوں کے پاس اسلامی علوم کا جو سرمایہ ہے اسے دینی وتمدنی حیثیت سے اہمیت حاصل ہے، اور اسی نے انسانیت کی رہنمائی وبہبود کے میدان میں عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، موجودہ دور میں علم وتہذیب کی ترقی اور قوموں کے مابین اخذ وعطا کے عمل میں سہولت وتیزی کا تقاضہ ہے کہ انسانی علوم کے اس مشرقی ومغربی سرمایہ کو نظر میں رکھا جائے اور اہمیت وافادیت کے لحاظ سے علوم کے درجات متعین کیے جائیں، پھر ان سے استفادہ کی صحیح راہ متعین کی جائے، نیز اس راہ میں پیش آنے والی دشواریوں کا واقعیت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا جائے، پھر ان کے حل کی کوشش کی جائے، یہ صورت بڑی افسوسناک ہے کہ ذاتی میلان ورجحان کی بنیاد پر ایک شخص دینی مدارس میں ایک مضمون کی تدریس کی حمایت کرے اور دوسرا اس کی مخالفت، پھر دونوں اپنے اپنے نقطۂ نظر کی حمایت کے لیے اسلامی تاریخ سے شواہد پیش کریں اور اسی طرح بحث ومناقشہ کا یہ

سلسلہ چلتا رہے، اہل نظر جانتے ہیں کہ ہر علم کی ایک اہمیت اور اس کی تحصیل کا ایک فائدہ ہے، علامہ نسفیؒ نے اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے فرعون نے جن جادوگروں کو بلایا تھا انہیں علم سحر سے واقفیت کا یہ فائدہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزے کو دیکھ کر وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ کسی انسانی ذہن کی کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ کسی باکمال وباقدرت ذات کی عنایت وحفاظت ہے، پھر وہ ایمان لائے اور فرعون کی سطوت وجبروت کی کوئی پرواہ نہ کی، غور فرمائیے کہ ایک ممنوع وحرام علم کی واقفیت سے جادوگروں کو کتنا عظیم فائدہ حاصل ہوا، لیکن اس سے کسی حرام علم کی تحصیل کے جواز پر استدلال صحیح نہ ہوگا، اسی طرح جائز علوم میں موجود افادیت کا پہلو اس کی تدریس کی ضرورت کے لیے کافی نہیں، بلکہ مناسب یہی ہے کہ امت کی ضرورت اور علوم کی افادیت کو پیش نظر رکھ کر علوم کی تدریس یا عدم تدریس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

سابقہ سطور میں تعلیمی نظام میں ثنویت کی جانب اشارہ گذر چکا ہے، اسے ختم کرنا ملت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے، لہذا اسے برقرار رکھتے ہوئے ہمیں تعلیمی میدان میں ملت کی ترقی کے لیے اقدام کرنا ہوگا، اگر یہ نظام ختم ہو جاتا تو تعلیمی مضامین کی منصوبہ بندی آسان ہو جاتی، اس وقت عرب ممالک اور بعض مسلم ممالک میں اس نوعیت کی کوئی دشواری نہیں، جس سے ہندوستان کی مسلم اقلیت دوچار ہے، وہاں پر نہ تو علوم کی دینی ودنیوی تقسیم ہے، نہ نصابی مضامین پر کوئی اختلاف۔ حکومت کی سرپرستی ونگرانی میں مختلف شرعی وعصری علوم کے الگ الگ شعبے قائم ہیں جن میں طلبہ اپنی صلاحیت اور طبعی میلان کی بنیاد پر داخل ہوتے ہیں، اور تحصیل علم کے بعد میدان عمل میں قدم رکھتے ہیں، نہ شرعی علوم کے شعبوں میں طلبہ کی کمی رہتی ہے، نہ عصری علوم کے شعبوں میں، چونکہ وہاں کا پورا تعلیمی نظام ایک یا چند وزارتوں کے ماتحت ہوتا ہے، اور تعلیمی ماہرین کی ایک ٹیم یہ نظام بناتی اور نافذ کرتی ہے، اس لیے یکسانیت وتنظیم موجود رہتی ہے، اور تعلیم پر اس کا اچھا اثر ہوتا ہے، ان تعلیمی اداروں کے لیے ماہرین جو نصاب تیار کرتے ہیں، ان کا جائزہ ہمارے لیے مفید ہوگا، اور اسی سے ہماری بہت سی الجھنیں ختم ہو جائیں گی، اس نصاب میں ثانوی تعلیم کے مرحلہ تک علوم شرعیہ اور علوم عصریہ کو اس طرح شامل کیا جاتا ہے کہ کسی ایک قسم میں اختصاص کے باوجود طالب علم کو دوسری قسم کے علوم کی ضروری حد تک واقفیت رہے، ثانوی مرحلہ کا نصاب بھی ادبی وعلمی (سائنسی) دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی اس بات کی رعایت ہوتی ہے کہ اختصاصی مرحلہ شروع ہونے سے پہلے طالب علم ضروری علوم سے واقف ہو جائے، ثانوی مرحلہ کے بعد یک گونہ اختصاص شروع ہو جاتا ہے، جو آگے چل کر بڑھتا جاتا ہے، ہمارے ملک کے سرکاری تعلیمی اداروں میں بھی اسی طرح کی تقسیم ہے، لیکن یہاں کا نصاب ادبی وعصری علوم تک محدود ہے، اور شرعی علوم اس سے خارج ہیں۔

موجودہ دینی مدارس میں سائنسی مضامین کے اضافہ کی حمایت کرنے والے حضرات بھی اس بات سے متفق ہیں کہ علوم شرعیہ وعلوم عصریہ کی متعین مرحلہ تک مشترکہ تعلیم کے بعد پھر اختصاص کا مرحلہ شروع کیا جائے، ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''اگر ہم مسلمانوں کے نصاب تعلیم کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم کو یہ بات انتہائی واضح انداز میں نظر آئے گی کہ مسلمانوں

کا مرتب کردہ نظام تعلیم قرون اولی اور قرون وسطی میں عصری علوم سے عاری نہیں رہا ہے، ان ادوار میں جو تعلیم دی جاتی وہ آج کی اصطلاح میں دینی اور دنیوی دونوں علوم کا احاطہ کرتی، البتہ یہ ضرور ہے کہ اختصاص بالعموم علم کی ایک ہی شاخ میں حاصل کیا جاتا، ابتداء میں تو سب ہی طالب علم قرآن پاک، حدیث، فقہ، تفسیر، فلسفہ، ریاضی، علم کلام، منطق، ہیئت، کیمیا وغیرہ کی اتنی تعلیم حاصل کرتے کہ ان علوم کے مبادی سے واقف ہو جائیں، بعد ازاں آخر کی چند سالوں کی تعلیم میں کوئی علوم نقلیہ کا ماہر علوم عقلیہ سے بیگانہ ہوتا یا علوم عقلیہ کا ماہر علوم نقلیہ سے، غالبا یہی وجہ ہے کہ جس زمانے تک ہماری یہ حالت رہی اللہ نے ہم کو دینی سیادت کے ساتھ ساتھ دنیوی سیادت سے بھی سرفراز رکھا، اور جب ہم نے اس کے حکم تدبر، تفکر اور تعقل سے سرتابی کی تو دنیا کا تو رونا ہی کیا دین بھی معرض خطر میں نظر آتا ہے''۔ (تہذیب الاخلاق، مئی ۱۹۸۷ء، ص۴۲، کبیر احمد جائسی)

دینی مدارس کے فارغین کا علمی معیار

کسی بھی سنجیدہ عمل پر کامیابی و ناکامی کا حکم اس کے نتیجہ کی روشنی میں لگایا جاتا ہے، ہندوستان کے دینی مدارس شریعت فہمی کے مقصد کے لیے قائم کئے گئے ہیں، ان مدارس سے یہ مقصد جس حد تک پورا ہوگا، اسی تناسب سے ان پر حکم لگایا جائے گا، اگر حقیقت پسندانہ جائزے سے ثابت ہو کہ مدارس اپنا مقصد پورا کر رہے ہیں تو یہ امر باعث اطمینان ہوگا اور اگر یہ معلوم ہو کہ مدارس اپنے مقصد وجود سے دور جا رہے ہیں تو پہلے اس نقص کو دور کرنے پر توجہ ضروری ہوگی۔

دینی مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ سے بات کی جائے تو علمی معیار کی گراوٹ کا شکوہ ان کی زبان پر سب سے پہلے آتا ہے، اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ ان مدارس کے فارغین کی علمی مہارت تسلی بخش نہیں، شرعی علوم پر ان کی گرفت مضبوط نہیں ہوتی، شریعت کے احکام کی تشریح و توضیح دعوت و تبلیغ کی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دہی، مخالفین اسلام کی تردید، عربی زبان میں تحریر و تقریر وغیرہ امور میں ان کی کمزوری کی باتیں اکثر سننے میں آتی ہیں، اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ مدارس کے فارغین کی بہت تھوڑی تعداد تدریس و تصنیف وغیرہ کے میدان میں کامیابی حاصل کرتی ہے، جبکہ اکثریت خود کو اس طرح کی کسی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں کر پاتی، لہذا مدارس کے نصاب میں جب کسی تبدیلی یا اضافے کی بات سوچی جائے تو مذکورہ نقص کو دور کرنے کی تدبیر پر بھی توجہ ضروری ہے، شرعی علوم پر مضبوط گرفت کے بعد ایک قابل توجہ امر ان علوم کے مطابق سیرت و کردار کی تشکیل کا ہے، کیونکہ ان علوم کی تحصیل کی یہ اولین شرط اور عظیم مقصد ہے، اس کے بغیر نہ صالح معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے، نہ مسلمانوں کی ترقی کا کوئی تصور ہو سکتا ہے، اسلام میں علم کوئی نظری چیز نہیں جسے ازبر کرنے اور دہرانے والا شخص عالم دین مان لیا جائے، بلکہ توحید باری، ایمان بالرسالت، اور ایمان بالآخرت وغیرہ اصول اسی لیے مقرر کیے گئے ہیں کہ انسان ان کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے، جب ہمارے دینی مدارس کے فارغین اسلام کی اعلی تعلیمات کو اپنی زندگی میں جگہ دیں گے تو کائنات میں ان کو اپنی اعلی انسانی حیثیت کا احساس ہوگا اور اپنی دینی و دنیوی ترقی کے جد و جہد کا حوصلہ ان کے اندر بیدار ہوگا، آج مادہ پرستی کی جو لہر چلی ہوئی ہے، اس کا شکار ہمارے یہ فارغین بھی ہو جاتے ہیں، اور یہیں سے ان کا جذبۂ عمل

کمزور ہوجاتا ہے، جس کا اثر ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں نظر آتا ہے۔ امت کے اسباب زوال پر بحث کرتے ہوئے بعض مخلصین نے لکھا کہ: مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ عصری تعلیم سے کنارہ کشی ہے، ممکن ہے یہ تاثر صحیح ہو لیکن میری ناقص رائے یہ ہے کہ اسلام کے اصول علم وعمل سے غفلت واعراض ہمارے زوال کا سب سے بڑا سبب ہے، میں اپنے اس خیال کی تائید میں محترم سید حامد صاحب کی ایک تقریر کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جسے موصوف نے چند سال پہلے بنارس میں کیا تھا، اس میں انہوں نے مسلم اقلیت کی ترقی کے لیے تین اہم اصول کا تذکرہ فرمایا تھا جن میں ایک یہ تھا کہ علم وعمل کے اعتبار سے مسلمانوں کا اپنے دین سے گہرا اور مخلصانہ تعلق ہو، کیونکہ دین سے بیگانہ ہونے کے بعد اگر ہم ظاہری طور پر ترقی بھی کرلیں تو اس کا مآل بہتر نہ ہوگا۔

جامعہ سلفیہ کی ایک کوشش

دینی مدارس کے فارغین کی شرعی علوم پر گرفت میں جس نقص کا احساس عام ہے اس کے اسباب کی نشاندہی اور اس کے بعد ان کے ازالہ کی کوشش کے باب میں ایک چھوٹا سا اقدام جامعہ سلفیہ کا بھی ہے، اس ادارے نے دہلی، مدراس، مالیگاؤں، مئوناتھ بھنجن، گونڈہ، بستی اور سدھارتھ نگر کے بڑے بڑے اہل حدیث مدارس کے کہنہ مشق اساتذہ پر مشتمل کل پانچ اجتماعات منعقد کیے تھے، یہ اجتماعات ۱۴۰۵ھ سے ۱۴۰۷ھ تک کی درمیانی مدت میں منعقد ہوئے تھے، اور ان کا بنیادی موضوع بحث ومناقشہ یہی تھا کہ کس طرح طلبہ کے اندر شرعی علوم میں مہارت پیدا کی جائے کہ وہ علمی وعوامی دونوں سطحوں پر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرسکیں، ایجنڈے کے نقاط غور وفکر کے لیے علماء کو پہلے ہی سے بھیج دیے گئے اور انہوں نے توجہ اور محنت سے اپنے تاثرات اور تجویزیں تیار کی تھیں، اجتماعات میں بہت سے مسائل زیر بحث آئے، اور حاضرین نے متفقہ طور پر یہ پاس کیا کہ پرائمری درجہ کے بعد عربی کے آٹھ سالہ کورس کی تعلیم دی جائے، پھر دو سال کا ایک اختصاصی کورس بنیادی شرعی علوم میں جاری کیا جائے، اور اس میں صرف ان طلبہ کو داخلہ دیا جائے جو طبعی طور پر بحث وتحقیق کا مزاج رکھتے ہوں، اور فراغت کے بعد اپنے اختصاصی مضمون ہی کے دائرے میں تدریس وتحقیق کے لیے آمادہ ہوں، اس کورس کا ابھی آغاز ہے، اس لیے کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، لیکن تخصیص کی تکمیل کے بعد جن فارغین نے عملی میدان میں قدم رکھا ہے، ان کی کارکردگی دوسرے حضرات سے بہتر محسوس ہوتی ہے۔

نصابی اصلاح سے متعلق ان اجتماعات میں ایک تجویز یہ بھی محل اتفاق رہی کہ دینی مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں اور طبعی رجحان پر نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ متوسط دینی تعلیم کے بعد اعلی دینی تعلیم صرف ان ہی طلبہ کو دی جائے جو شرعی علوم کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور ان علوم کے دائرے میں مستقل طور پر کام کے لیے آمادہ ہوں، اور بقیہ طلبہ کو ان کے میلان کے مطابق عصری علوم یا ٹیکنیکل تعلیم کے اداروں میں بھیج دیا جائے، مگر اس کے لیے ضروری ہوگا کہ دینی مدارس کے نصاب میں اس طرح کے مضامین شامل رہیں جن کی عصری یا ٹیکنیکل اداروں میں داخلہ کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔

نصاب میں موجودہ تقاضوں کی رعایت

ماہرین تعلیم نے یہ وضاحت کی ہے کہ نصاب کوئی جامد چیز نہیں کہ ہمیشہ اسے ایک حالت پر برقرار رکھا جائے، بلکہ طالب علم کی ذہنی وفکری تشکیل اور علمی شخصیت کی تعمیر کا ایک وسیلہ ہے، اس لیے اس میں زمانے کے تقاضوں کی رعایت ضروری ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو تعلیم کے متوقع فوائد حاصل نہ ہوں گے، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ نصاب کی ترمیم وتبدیلی کوئی مقصود بالذات امر نہیں کہ اسے ضرور عمل میں لایا جائے، بلکہ یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تبدیلی کا تقاضہ کیا ہے، اور اس سے کن فوائد کی توقع ہے؟

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دینی مدارس ایک متعین وواضح مقصد کے لیے قائم کیے گئے ہیں، اور ملت کے لیے آج بھی اس مقصد کا حصول ضروری ہے، اس دور میں لوگوں کا علمی وثقافتی معیار بلند ہوا ہے، مختلف احوال میں تبدیلی آئی ہے، اور بہت سے سابقہ افکار وخیالات بے وزن ہو گئے ہیں، اس لیے نصاب میں اس کی رعایت ضروری ہے، کیونکہ عمل کے بعد دینی تعلیم کا مقصد شریعت کی تبلیغ ہے، یہ تبلیغ اسی وقت مؤثر ہوگی جب داعی ومدعو کے علمی وثقافتی معیار میں ہم آہنگی ہوگی، آج کے معاشرے میں جس طرح ہمیں سائنس وٹکنالوجی کی ترقی کے نتیجہ میں متنوع ایجادات وانکشافات کا سابقہ ہے، اسی طرح متعدد ایسے غیر سائنسی علوم بھی متعارف ہو گئے ہیں جن سے انسان کو برابر واسطہ پڑتا ہے۔

ایسی صورت میں ضرورت ہے کہ نصاب میں ترمیم کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے دو باتوں پر غور کیا جائے، اول یہ کہ وہ کون سے غیر سائنسی علوم ہیں جن کے اضافہ سے دینی مدارس کے مقصد تعلیم کو حاصل کرنے میں آسانی ہوگی؟ دوم یہ کہ سائنسی مضامین میں سے کن مضامین کا اضافہ مفید ہوگا؟ ماہرین تعلیم کے مشورے سے جب مذکورہ دونوں قسم کے مضامین کا تعین ہو جائیگا تو پھر ان کی تدریس کے لیے اساتذہ اور درسی کتابوں کے مسئلہ کو حل کرنا ہوگا جو مدارس کے حالات کے پیش نظر آسان نہیں، پھر بھی ذمہ داران کو اپنی اصلاحی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔

دینی مدارس کے نصاب میں مضامین سائنس کے اضافہ کی جو حضرات حمایت کرتے ہیں ان کے پیش نظر شاید یہ بات نہیں کہ وہ ان مدارس سے سائنس کے بڑے بڑے ماہرین پیدا کریں، اور مدارس کو سائنس کی تجربہ گاہ بنا دیں، بلکہ وہ ان مدارس کے فارغین کو موجودہ دور کے ثقافتی دھارے سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں، اور یہ کہ مدارس کے فارغین اپنی دینی ذمہ داریوں کو حسن وخوبی سے انجام دے سکیں، ایسی صورت میں مدارس کے ذمہ داران کے لیے مناسب ہے کہ وہ عصری تعلیم کے ماہرین کے ساتھ تبادلۂ خیال کریں، اور دونوں طرح کی تعلیم کے بنیادی مقاصد کو سامنے رکھ کر ایسا حل تجویز کریں جس سے دین ودنیا اور مذہب وسائنس کے مابین ٹکراؤ کا شبہ ختم ہو جائے اور دونوں طرح کے علوم سے انسانیت مستفید ہو، اور دینی واخلاقی قدروں کو عروج حاصل ہو سکے، اسلامی نقطۂ نظر سے علوم کا یہی تعمیری پہلو ہے، اگر تعلیم سے ہم اس چیز کو حاصل نہ کر سکے تو پھر ہماری کوشش رائیگاں ہی رہے گی۔ ☆☆ (ماخوذ از: عرفانِ سید حامد ص ۲۷۱ سے ۲۸۱ تک)

دوسروں کی زمین پر قبضہ

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

دیگر اشیاء کی طرح اپنے مال و جائداد کی حفاظت کرنا اور دوسروں کے قبضہ وتصرف سے اسے روکنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے، اسی طرح دوسروں کی مملوکہ چیز کو اپنے لیے ممنوع اور ناجائز تصور کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے، وہ چھوٹی ہو یا بڑی، کم ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا کم قیمت، دوسرے کی کسی بھی چیز، پیسے یا سامان کو اس کی اجازت کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔ انسانی معاشرہ بالعموم اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ پھر بھی بعض حریص، لالچی اور خود غرض افراد اس حد درجہ بنیادی اصول کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسروں کے مال، سامان اور جائداد وغیرہ پر نظر جمائے رہتے ہیں اور موقع ملتے ہی اسے اپنی ملکیت بنا لیتے ہیں، اس طرح کہ اصل مالک دیکھتا ہی رہ جاتا ہے اور اپنی مجبوری اور بے بسی پر آنسو بہاتا ہے۔

اسلام کا موقف اس سلسلے میں بہت واضح بلکہ سخت ہے۔ حقوق العباد سے تعلق رکھنے والے اس معاملہ پر صاف لفظوں میں نبی اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا ہے کہ: ''**اَلَا اِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ**.....'' (بخاری ومسلم) سن لو! ایک دوسرے کا خون، مال اور آبرو حرام ہے۔

ایک دوسرے کی زمین، جائداد اور مکان پر یا اس کے کچھ حصے پر قبضہ جما لینا، اسے غصب کر لینا اور بسا اوقات ناجائز قانونی کارروائی کر کے اسے اپنی ملکیت بنا لینا بعض حضرات کے نزدیک عام بات ہے۔ اسے وہ اپنی ہوشیاری، مہارت اور تجربہ کاری تصور کرتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے اس طرح کے کام انجام دیتے ہیں۔

دنیا کا کوئی قانون اس کام کو سند جواز فراہم نہیں کرتا، اور نہ ہی کوئی صالح معاشرہ اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہماری شریعت مطہرہ بھی اس بارے میں بڑا سخت موقف رکھتی ہے، عام مال واسباب کی حرمت کی صراحت کے ساتھ زمین و جائداد کی حرمت اور اسے غصب کرنے کی سخت ممانعت اسلامی تعلیمات میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے۔ اور ایسی ذہنیت رکھنے والوں اور ایسا شرمناک کام کرنے والوں کو سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**مَنْ ظَلَمَ قِیْدَ شِبْرٍ مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ**" (بخاری ومسلم)

یعنی جس نے ایک بالشت برابر بھی زمین ہتھیا کر کسی پر ظلم کیا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن) اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

غور کریں کہ لمبی چوڑی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے کا یہ انجام نہیں بیان کیا جا رہا ہے بلکہ محض ایک بالشت زمین غصب کرنے پر یہ سخت سزا سنائی جا رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جرم بے حد خطرناک ہے اور بظاہر معمولی نظر آنے کے باوجود

شریعت کی نظر میں بہت بڑا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ایک بالشت زمین تو دور کی بات ہے شریعت کی نظر میں غیر کی ملکیت کی ایک چھوٹی سی لکڑی یا اس جیسی معمولی چیز بھی اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر لے لینا جرم عظیم ہے۔

حضرت ایاس بن ثعلبہ حارثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی مسلمان آدمی کا حق (جھوٹی) قسم کے ذریعہ قطع کرلیا (ناحق لے لیا) اللہ اس کے لیے جہنم واجب اور جنت حرام کردیتا ہے۔ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! چاہے وہ تھوڑی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو''۔ (مسلم)

بعض لوگ دوسروں کی زمینیں غصب کرنے کے لیے عدالت اور مقدمہ بازی کا سہارا لیتے ہیں، اور اپنی چرب زبانی، رشوت یا عدالتی داؤ پیچ کی جانکاری کے بل بوتے پر مقدمہ جیت جاتے ہیں، اس طرح وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب یہ زمین حقیقت میں ہماری ملکیت بن گئی اور ہم اس کے شرعی و قانونی حقدار بن گئے۔لیکن ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ پنچ یا عدالت کے فیصلہ سے ناجائز جائز میں اور حرام حلال میں نہیں بدل جاتا۔پنچ یا عدالتیں غیب داں نہیں ہوتیں، وہ تو ظاہری دلیلوں اور ثبوتوں کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کرتی ہیں، لہٰذا اگر کسی نے ان ذرائع سے غلط فیصلہ حاصل کرلیا تو وہ اللہ کے یہاں مجرم ہوگا اور اسے اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک میں ایک انسان ہی ہوں، اور تم لوگ میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو (تاکہ میں فیصلہ کروں) اور شاید تم میں سے بعض آدمی اپنی دلیل پیش کرنے میں دوسرے (فریق) سے زیادہ تیز اور چرب زبان ہو، پس میں جو کچھ سنوں (اور اس سے جس نتیجہ پر پہنچوں) اس کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کردوں (حالانکہ وہ حق پر نہ ہو) تو جس شخص کے لیے میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو (دراصل) یہ میں اس کے لیے جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں'' (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حاکم یا عدالت کے فیصلہ سے حقائق تبدیل نہیں ہوا کرتے، اگر کسی وجہ سے زید کی مملوکہ چیز کو عدالت غلطی سے بکر کی چیز قرار دے تو بکر کے لیے اس کا لینا اور اس پر قابض ہونا جائز نہیں، اگر وہ جانتا ہے کہ درحقیقت وہ اس کی چیز نہیں ہے۔اگر اس پر وہ قبضہ کرتا ہے تو گویا جہنم کا ٹکڑا لیتا ہے۔

ایک قابل توجہ امر یہ بھی ہے کہ بعض حضرات بلاتحقیق بلکہ بلاعلم دوسروں پر زمین غصب کرنے کا الزام لگاتے پھرتے ہیں، وہ یا تو سنی سنائی باتوں پر بھروسہ کرتے ہیں یا محض کسی سے دشمنی کے سبب ایسا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو ایک واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان کے بارے میں حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ اروی بنت اوس نامی عورت نے ان سے جھگڑا کیا اور مدینہ کے گورنر حضرت مروان بن حکم تک شکایت پہنچائی اور یہ دعوی

کیا کہ سعید بن زید نے اس کی کچھ زمین غصب کر لی ہے۔حضرت سعید نے کہا کہ کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (وعید) سننے کے بعد اس کی زمین کا کچھ حصہ غصب کر لیتا؟ حضرت مروان نے پوچھا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (وعید) سنی ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ''جس نے ناجائز طریقہ سے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ہتھیا لی تو اسے (قیامت والے دن) سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا'' یہ سن کر حضرت مروان نے ان سے کہا: اس کے بعد میں آپ سے کوئی دلیل طلب نہیں کروں گا۔پس حضرت سعید نے اس عورت کے لیے بددعا فرمائی: اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کی بینائی ختم کر دے اور اس کو اس کی زمین ہی میں موت دے۔حضرت عروہ بیان فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اس کی بینائی چلی گئی اور ایک بار وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر گئی اور اس میں مر گئی۔ (بخاری ومسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں جو محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر سے اسی کے ہم معنی منقول ہے اس میں ہے کہ محمد بن زید (راوی حدیث) نے اس عورت کو نابینا اور دیواریں ٹٹولتے ہوئے دیکھا، وہ کہتی تھی کہ مجھے حضرت سعید کی بددعا لگ گئی ہے اور ایک کنویں پر سے گزری جو زمین کے اسی احاطے میں تھا جس کے بارے میں اس نے جھگڑا کھڑا کیا تھا، پس وہ اس میں گر کر مر گئی اور وہی حصہ اس کی قبر بنا۔

لہٰذا اس قسم کی الزام تراشی سے بچنا چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مظلوم کی بددعا بہت جلد قبول ہوا کرتی ہے۔

آخر میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زمین جائداد اور دوسروں کی چھوٹی بڑی چیزوں کو ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اپنی ملکیت میں تحویل کرنے کی کوشش کرنے والوں اور دوسری طرف نیک خصلت اور پاکباز لوگوں کی ذہنیت میں کتنا فرق ہوتا ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(سابقہ زمانے میں) ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے زمین کا سودا کیا، تو زمین خریدنے والے نے خریدی ہوئی زمین میں سونے کا ایک مٹکا پایا، تو اس نے فروخت کرنے والے سے کہا، اپنا سونا لے لے، میں نے تو تجھ سے صرف زمین کا سودا کیا تھا، سونے کا نہیں۔زمین کے مالک نے کہا: میں نے تو تجھ سے زمین اور زمین میں موجود سمیت ہر چیز کا سودا کیا ہے۔(اس اختلاف کے بعد) وہ دونوں اپنا فیصلہ کرانے ایک آدمی کے پاس گئے، تو اس شخص نے جس کے پاس وہ فیصلہ کرانے گئے تھے پوچھا کہ کیا تم دونوں کے پاس اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے۔دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے۔اس فیصلہ کرنے والے نے کہا: تم لوگ اس لڑکے لڑکی کا باہم نکاح کر دو اور ان پر اس سونے سے خرچ کرو اور (جو بچے) صدقہ کر دو۔

اللہ رب العزت سب کو نیک سمجھ عطا فرمائے۔

☆☆☆

مولانا کھنڈیلوی

اور

وجہ ترجیح طریق ہلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہؓ

(از حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مبارکپوری)

مولانا محمد مستقیم سلفی/استاذ جامعہ سلفیہ (قسط:۱)

ماہنامہ ''مصباح''، میں اس فقیر کے نام سے جن علمی اور غیر علمی استفسارات کے جواب شائع ہورہے ہیں وہ بالعموم بزمانۂ ملازمت دارالحدیث رحمانیہ دہلی لکھے گئے ہیں جواب مدیر ''مصباح'' کی خواہش پر نظر ثانی کے بعد ان کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے عنوانات وہ خود تجویز کرتے ہیں چونکہ حدیث وابصہ بن معبد کی سند میں اختلاف اور امام ترمذی کی بیان کردہ وجہ ترجیح سے متعلق استفسار کے جواب میں جو تحریر لکھی گئی ہے اس کا عنوان ''مذاکرۂ علمیہ'' مدیر ''مصباح'' کا اپنا قائم کردہ ہے۔

محترم مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی محدث دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کو اس تحریر میں ''چند مساحات'' نظر آئے جن کی نشاندہی کے لئے آپ نے ایک عربی میں مقالہ تحریر فرما کر اشاعت کے لئے دفتر ''مصباح''، بھیج دیا لیکن مدیر کو ہدایت فرمادی کہ وہ اس کا بامحاورہ ترجمہ کردیں اور ''مصباح''، میں مع ترجمہ شائع کریں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ مقالہ اشاعت سے پہلے مجیب (عبیداللہ) کو نہ دکھایا جائے۔ اگر کسی وجہ سے شائع نہ ہوسکے تو واپس کردیا جائے لیکن مجیب کو ہرگز نہ دکھایا جائے۔ (أو کما قال) مقالہ عربی میں لکھنے اور مدیر ''مصباح'' کو ترجمہ کرنے کی ہدایت فرمانے اور اشاعت سے پہلے مجیب کو نہ دکھائے جانے کی موکد ہدایت کرنے کے کیا اسباب ہیں؟ یہ فقیر ان کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ خدا کرے وہ مولانا کی علمی جلالت کے شایان شان ہوں۔

مدیر ''مصباح''، نے اپنی پریشانیوں کی وجہ سے ترجمہ سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے مقالہ واپس کردیا بڑی خوشی ہوتی اگر مولانا کا اصل عربی مقالہ مع ترجمہ کے پہلے ''مصباح''، میں شائع ہوتا کیونکہ میرا مضمون ''مصباح''، ہی میں شائع ہوا تھا۔ مولانا نے اپنا یہ مقالہ ''الھدی ''، میں اردو میں شائع کرایا البتہ امام ترمذی کے کلام بابت ترجیح طریق ''ھلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ '' کی عربی شرح باقی رکھی اور اسکا ''خلاصہ ترجمہ'' کردیا۔

یہ فقیر مولانا کا ممنون ہے کہ آپ نے اپنے اس تعاقب کے ذریعہ جو درحقیقت ایک علمی زلہ اور تقلیدی ضلالت کا اچھا نمونہ ہے اس عاجز کو اپنے جواب پر نظر ثانی کرنے کی طرف متوجہ فرمایا اس طرح امام ترمذی کا یہ مقام انشاء اللہ اور منقح

ہوجائے گا۔اوراہل علم اوراصحاب ذوق پران ''چندمساحات'' کی حقیقت واضح ہوجائے گی جومولانا کواصل جواب میں نظر آئے مدیران ''الھدی'' اور ''مصباح'' مستحق شکریہ ہیں کہ ایسے مضامین شائع کر کے اپنے قارئین میں خشک علمی مباحث کا ذوق پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔خدا کرے صرف ان کے قارئین ہی نہیں بلکہ تمام علمائے اہلحدیث جن میں بقول مولانا کے ''آج فن حدیث کے متعلق علمی مذاق نہیں رہااوروہ اکثر ہمارے مدرسین جنکی تعلیم سطحی طریق پرہوئی ہےاور جومفہوم کتاب کونہیں سمجھتے'' یہ سب کے سب اپنی موجودہ روش کو بدل دیں تاکہ مولانا کو پھراس قسم کی دستاویز شائع فرماکر غیروں کی ہفوات کی تصدیق کا موقع نہ ملے۔

ہماری یہ تحریر مولانا کے مضمون کوبغور پڑھنے کا نتیجہ ہے ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اسے پڑھنے کے وقت تکلیف فرماکر ''مصباح'' ۴؎

(ربیع الثانی ۷۱ھ)اور(الھدی)۹جلد۴ (یکم مئی ۵۲ء)ضرور سامنے رکھیں۔اوراگر جامع ترمذی بھی پیش نظر رہےتواور بہتر ہوگا۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں وابصہ بن معبد کی حدیث صرف دوطریق (سند) سے روایت کی ہے(نہ تین طریق سے كما توهمّ الشيخ محمد أنور الكشميري الديو بندي في اماليه)(۱)حسين عن هلال بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصه (۲) شعبه عن عمرو بن مرة عن هلال بن يساف عن عمرو بن راشد عن وابصه۔

امام ترمذی نے پہلے طریق سے حدیث روایت کرنے کے بعداور دوسرے طریق سے روایت کرنے سے قبل ایک طریق کودوسرے طریق پرترجیح دینے کے بارے میں محدثین کااختلاف ذکرکرتے ہوئے اپناعندیہ بھی ظاہرکیاہے،اوراس کی وجہ بھی لکھدی ہے پھرحدیث کو دوسرے مذکورہ بالاطریق سے روایت کیاہے۔اختلاف علماءحدیث اوراپناخیال ان الفاظ میں تحریرفرمایاہے۔واختلف أهل الحديث في هذا فقال بعضهم حديث عمر و بن مرة عن هلال بن يساف عن عمرو بن راشد عن وابصه أصح ۔ وقال بعضهم حديث حصين عن هلا ل بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصه أصح وهذا (أي حديث حصين عن هلا ل عن ذياد الخ) عندي أصح من حديث عمروبن مرة(عن هلا ل عن عمر وابن راشد الخ يعني كون الحديث من روية زياد عن وابصة أصح عندي من كونه من رواية عمرو بن راشد عن وابصة) لأنه قد روى من غير حديث هلا ل بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصه انتهى ۔

اس نشان زدہ عبارت کی تشریح کے سلسلہ میں راقم السطور نے لکھا تھا کہ''من غير حديث هلال بن يساف'' میں لفظ حدیث کے اعراب میں دواحتمال ہوسکتے ہیں پھر دونوں احتمالوں کی روشنی میں پوری عبارت کی توضیح کی تھی۔مولانا

کھنڈیلوی نے پہلے احتمال کو تین وجہ سے اور دوسرے احتمال کو دو وجہ سے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ پھر پوری عبارت کی بزعم خویش صحیح ترکیب لکھی ہے اور اس کا مطلب واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے یہ اعتراضات ''اعتراض برائے اعتراض'' کی قسم سے ہیں اور نشان زدہ عبارت کی جو تشریح انھوں نے کی ہے وہ بھی سطحی نظر اور مفہوم عبارت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور وہ قطعاً اس لائق نہیں کہ اسے ایسے عالم کی طرف منسوب کیا جائے جو اب علماء اہلحدیث میں فن حدیث کے متعلق علمی مزاق نہ رہنے کا شکوہ کررہا ہو اور ہمارے مدرسین کی تعلیم و تدریس کے سطحی ہونے اور ان کے مفہوم کتاب تک نہ سمجھنے کا دعوی کررہا ہو۔ مولانا نے پہلے احتمال کو (جس میں ہمنے لفظ حدیث کو ''ھلال'' کی طرف مضاف اور '' روی'' کو فعل مجہول اور ''عن زیاد'' کو اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ بتایا ہے) غیر صحیح بنانے کے لئے ایک نحویانہ وجہ طویل عبارت میں تحریر فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "لأنہ' سے پہلے ''عمرو بن مرة'' واقع ہے اس لئے وہ ''لأنہ" میں ضمیر متصل کا (جو ان کا اسم ہے) مرجع ہوگا اور ''روی'' ''ان'' کی خبر اور اس کی ضمیر مرفوع مستتر کا مرجع بھی وہی ''عمرو بن مرة" ہے اس لئے ''روی'' لامحالہ فعل معروف ہوگا نہ کی فعل مجہول۔ مولانا! یہ کس نحوی قائدہ کے رو سے ضروری ہوگیا کہ چونکہ ''لانہ'' سے پہلے اور اس کے متصل ''عمر و بن مرة'' ہے اس لئے وہی ''لانہ'' میں ضمیر کا مرجع ہوگا آپ کو غالباً ان دو ضمیروں کے مرجع کی تلاش کی فکر کی وجہ سے ایک مشہور نحوی قائدہ سے ذہول ہوگیا۔ مولانا! ضمیر شان اور قصہ کی بھی کوئی چیز ہے؟ ''لأنہ'' میں ضمیر شان کی ہے جس کی تفسیر آگے کا جملہ کررہا ہے۔ والمعنی لأن الشان قد روی أی ذکر أو ورد من غیر حدیث ھلال لفظ عن زیاد عن وابصة یعنی ان کون الحدیث من روایة زیاد عن وابصة أصح لأنّ لفظ عن زیاد عن وابصة قد روی من غیر حدیث ھلال والمراد بھذا الغیر ھو طریق یزید بن زیاد عن عبید بن أبی الجعد عن زیاد عن وابصة وھذا کقولہ تعالی فَاِنَّھَا لَا تَعْمیَ الأَبْصَارُ أی فإن القصة لا تعمی الأبصار فالضمیر للقصة ولا تعمی الأبصار مفسرة لہ۔ اور اگر آپ کو اصرار ہے کہ ''لأنہ'' میں ضمیر کا کوئی مرجع متقدم ہونا چاہئے جو ''ان'' کا اسم ہو اور ''روی'' اسکی خبر، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ''انہ'' اور ''روی'' دونون کی ضمیروں کا مرجع ایک ہونا چاہئے تو لیجئے ان دونوں ضمیروں کا مرجع وہی ہے جو اس سے پہلے ''وھذا عندی أصح من حدیث عمرو بن مرة'' میں ''ھذا'' اسم اشارہ کا مشار الیہ ہے والمعنی وھذا أی حدیث حصین عن ھلال عن زیاد عن وابصة أصح عندی من حدیث عمرو بن مرة عن ھلال عن عمرو بن راشد عن وابصة أی کون الحدیث من روایة زیاد عن وابصة أصح من کونہ من روایة عمرو بن راشد عن وابصة لأنہ أی حدیث حصین عن ھلال عن زیاد عن وابصة۔ قد روی من غیر حدیث ھلال عن زیاد عن وابصة أی روی عن زیاد عن وابصة من طریق آخر غیر طریق ھلال وھو طریق یزید عن عبیدعن زیاد عن وابصة والحاصل انہ لم یتفرد حصین عن ھلال بذکر واسطة زیاد بل تابعہ

على ذلك يزيد عن عبيد فاتفق حصين عن هلال ويزيد عن عبيد على ذكر واسطة زياد ورواية الحديث من طريق زياد بخلاف عمرو بن مرة عن هلال فانه قد تفر د بذكر واسطة عمرو بن راشد ولم يتابعه أحد على ذلك ولذلك رجح الترمذى كون الحديث من رواية زياد عن وابصة ۔

اس توجیہ پر ''عن زیاد'' ''روی'' کے متعلق ہوگا لیکن ''لأنه'' میں ضمیر کا مرجع ''عمرو بن مرة'' کسی حال میں نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ''روی'' صیغہ معروف ہوسکتا ہے کونکہ اس صورت میں ترمذی کا یہ کلام بے معنی ہوجائے گا کمایاتی۔

مولانا نے پہلے احتمال پر دوسرا کلام یوں کیا ہے کہ اگر ''روی'' کا مفعول مالم یسم فاعلہ'' عن زیاد عن وابصة'' بنایا جائے گا تو اختلاف مابین الاسم والخبر لازم آئے گا ۔الخ

یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے ''لأنه'' میں جب ضمیر شان کی ہے اور ''روی'' فعل مجہول ہے جس کا نائب فاعل لفظ ''عن زیاد عن وابصة'' ہے تو اسم اور خبر اور انکے درمیان اختلاف کا قصہ ختم ہوگیا یا اگر ''لأنه'' اور ''روی'' دونوں کی ضمیروں کا مرجع حدیث ہو (حسب مابینا) تو اسم وخبر کے درمیان اختلاف کہاں لازم آیا؟

مولانا نے تیسرا کلام یوں کیا ہے۔ اکثر جار مجرور متعلق فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوتے ہیں اس کو نائب فائل بنانا صرف عن الظاہر ہے گو بعض اوقات جار مجرور نائب فاعل ہوتے ہیں جبکہ الفاظ مراد ہوں۔ مگر یہاں پر متعلق جار مجرور فعل موجود ہے اور وہ ''روی'' ہے انتہی۔

''اکثر'' کی تصریح اور ''گو بعض اوقات الخ'' کے ذریعہ استثناء کے باوجود اس احتمال پر جس میں لفظ ''عن زیاد عن وابصة'' کو نائب فاعل بتایا گیا ہے کلام کرنا عجیب بات ہے۔ مولانا کو خوب معلوم ہے کہ اس احتمال میں لفظ ''عن زیاد عن وابصة'' ہی کو ''روی'' کا نائب فاعل بنانا مقصود ہے لیکن باوجود اس کی نہ معلوم کس غرض سے آپ نے کلام کا یہ نمبر بڑھادیا۔ واضح ہو کہ یہاں جار مجرور یعنی'' عن زیاد الخ'' کا متعلق ''روی'' مذکورہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ ''لأنه'' میں ضمیر کا مرجع اور ''روی'' فعل مجہول کا نائب فاعل حدیث ہو کما تقدم وسیاتی ایضاً۔

مولانا! اسی سے ملتی جلتی ترمذی کی یہ عبارت بھی ہے'' قال وروى عن أبى عوانة عن خالد بن علقمة عن عبد خير عن على قال وروى عنه عن مالك بن عرفطة مثل رواية شعبة والصحيح عن خالد بن علقمه ''ایک احتمال کی بنا پر لفظ ''عن خالد بن علقمة الخ'' ''روی'' اول کا نائب فاعل اور لفظ ''عن مالك بن عرفطة'' ''روی'' ثانی کا نائب فاعل ہوسکتا ہے ورا گر'' روی'' کا نائب فاعل ضمیر مستتر کو بنایا جائے جس کا مرجع حدیث ہوگا تو حرف جار ''عن خالد'' ''روی'' مجہول کے متعلق ہوجائے گا۔

(جاری)

☆☆☆

نماز.....قرآن میں

(۱) عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی (بہار)

نماز دین کا ستون اور دوسرا سب سے بنیادی رکن ہے، تمام انبیاء کی شریعتوں میں فرض اور صاحب ایمان کی خاص علامت رہی ہے، ایمان کے بعد عملی اطاعت کی اولین شناخت اور دائمی پہچان ہے، اس کے فوائد وثمرات اور نتائج بے شمار ہیں، کتاب وسنت کے صحیح نصوص میں انھیں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، سچے مومن نمازی کی زندگی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، ہم محض قرآن کی آیات کی روشنی میں یہاں نماز کے تعلق سے اس کی اہمیت وفضیلت اور فوائد وثمرات وغیرہ کے تعلق سے چند باتیں بیان کرتے ہیں۔

دین میں نماز کی اہمیت:- نماز ان فرائض میں سے ایک ہے جو نمازی بندے کے متقی ہونے کی دلیل ہے، اللہ نے فرمایا ''یہ (قرآن) کتاب (منزل من اللہ) ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، متقیوں کے لئے ھدایت ہے، جو غیب پر ایمان رکھتے اور نماز کی پابندی کرتے اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں''۔ (۳/۲)

جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، وہ سچے مومن اور برحق صاحب ایمان ہیں، اللہ نے فرمایا: ''جو لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں وہی لوگ حقیقی مومن ہیں، ان کے رب کے پاس بڑے بڑے درجے ہیں، قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے، (یہاں سچے مومن نمازی بندے کے لئے دنیا وآخرت ہر دو جہان میں رزق ومغفرت اور جنت کا وعدہ ہے)

نماز کی پابندی مومن بندے کے ہدایت یافتہ ہونے کی ایک دلیل ہے، اللہ نے فرمایا ہے: ''بیشک اللہ کی مسجدوں کی تعمیر وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔ صحیح حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ جس مسلمان کو مسجد میں آنے جانے کا عادی دیکھو (ظاہر ہے وہ نماز کا پابند ہی ہوگا) تو اس کے ایمان کی گواہی دو''۔

نماز کی پابندی سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اللہ نے فرمایا: ''مومن مرد اور عورت سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ ورسول کی رحمت نازل ہوکر رہے گی، بے شک اللہ سب پر غالب اور حکیم ودانا ہے، ان مومن مرد اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں ایسے باغ دے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے ان سب سدا بہار باغوں میں ان کے لئے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر انھیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی یہی بڑی کامیابی ہے''۔ (۹/۷۱-۷۲)

نماز کے پابند مومنین کے لئے آخرت میں بہترین ٹھکانا ہے جس میں وہ خود ہی نہیں بلکہ ان کے آل اور آباواجداد میں سے جو صالح ہوں گے ان کے لئے بھی بہترین ٹھکانا ہے اللہ نے فرمایا ''اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا کے خاطر صبر کیا اور نماز

کی اقامت کی اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کیا اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے ہے یعنی ایسے باغ جو انکے ابدی قیام ہوں گے وہ خود بھی ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباواجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو صالح ہوں گے وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہوں گے ملائکہ ان کے استقبال کے لئے ہر طرف سے آئیں گے اور ان سے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تم نے جس طرح سے دنیا میں صبر کیا اس کے بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے'' (۱۳/۲۲۔۲۴)

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ یہ ایمان وکفر کا معیار ہے، اللہ کے اس فرمان جس میں منافقوں کی نماز کی بابت منقول ہے کہ وہ نماز کو از حد سستی اور جبر بالقلب کر کے ادا کرنے آتے تھے اور آکر بھی جیسے تیسے ادا کرتے تھے اور جلد سے جلد مسجد سے بھاگ جاتے تھے (۴/۱۴۲) اس کی تفسیر میں صاحب تفہیم لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانے میں کوئی سچا مسلمان ہو ہی نہیں سکتا تھا جب تک کی وہ پنج وقتہ نمازوں میں پابندی اوقات کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں حاضر نہ ہو صحابہؓ سے منقول بھی ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے زمانہ میں ترک نماز سے بڑھ کر کفر کا دوسرا کام نہیں جانتے تھے اور حقیقت بھی گواہ ہے جیسا کہ ہم قوموں اور جماعتوں کے تعلق سے دیکھتے ہیں کہ اس کے مقرر کردہ موعود وقت پر اگر کوئی ممبر حاضر نہ ہو تو اسے شکوک اور مسلسل واکثر غائب والے کو اس کا مخالف اور تنظیم و جماعت سے خارج سمجھتا ہے اور اسے باغی کہتا ہے، نماز پنجگانہ کی حاضری پر اس کو اندازہ کرنا چاہئے، نبی ﷺ کے خیر القرون میں ایک سچا مسلمان نماز جماعت میں پابندی سے حاضر ہوتا تھا اس وقت جو ایسا نہیں کرتا تھا اس کا ایمان مشکوک ہوتا تھا اور اگر وہ مسلسل نماز سے غائب رہتا تو اسے مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا اس لئے اس وقت منافقوں کو بھی مسجد میں پنج وقتہ نماز میں حاضری دینی پڑتی تھی کیونکہ وہ اس کے بغیر مسلمانوں کی جماعت میں شمار نہیں کئے جاسکتے تھے یہاں اس آیت میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ تب سچا مومن مسجد میں نماز کے لئے جلد آتا اور دیر سے جاتا جبکہ منافق بالجبر جاتا پھر دیر سے جاتا اور جلد واپس آجاتا جیسے تیسے نماز پڑھ کر مسجد سے بھاگتا۔ جو نماز کے پابند نہیں ہیں ان کی بات دیگر ہے جو اللہ کے فضل کرم سے نماز پڑھتے ہیں ان میں اچھی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دیر سے مسجد جاتے اور جلد واپس آجاتے ہیں انہیں یہاں غور کرنا چاہئے۔

نماز کے اخلاقی وروحانی فوائد:۔ نماز کے کئی اخلاقی وروحانی فوائد ہیں، زندگی کی بہتر اور صحتمند تعمیر اور کردار سازی میں نماز کا بہت اہم رول ہے نماز کے تعلق سے قرآن میں جہاں بھی ذکر ہے اقامت الصلاۃ کا لفظ وارد ہوا ہے جس کا مطلب نماز کو وقت کی پابندی کے ساتھ باجماعت ادا کرنا ہے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نماز کی پابندی کا ایک سیدھا اور تعمیری اثر زندگی میں وقت کی پابندی کے تعلق سے ہوتا ہے اس کو ڈسپلن بھی کہتے ہیں ہر کام جو آدمی کرے وقت کی پابندی کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ وہ زندگی کی کامیابی میں تعمیری واساسی رول ادا کرتا ہے ایک طالب علم پابندی سے اور مسلسل محنت ومشقت کر کے علم حاصل کرے، تاجر تجارت کرے، کسان کاشتکاری کرے، مبلّغ دین کی دعوت دے۔ الغرض کوئی بھی کام اس طرح سے ہو تو اس آدمی کی کامرانی شک سے بہت بالاتر ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ نماز سے بڑھ کر زندگی کو ڈسپلن اور پابند اوقات بنانے میں دوسری کوئی چیز نہیں ہوسکتی عشاء اور فجر کے تعلق سے ہی لیجئے جو مسلمان اس کا پابند ہوگا وہ لاریب رات کو سویرے سوئے گا اور سویرے جاگے گا کہ اسے فجر کی نماز ادا کرنا ہے یہیں پر صحت کے اس اصول کو سامنے رکھئے جس میں کہا گیا ہے Early to

bed early to rise makes you healthy wealthy and wise یعنی سویرے سونا اور سویرے جاگنا تم کو صحتمند، دولت منداور عقلمند بناتا ہے، وسیع تر معنوں میں نماز پنجگانہ کی وقت کے ساتھ پابندی بلاشبہ زندگی میں اسی طرح ڈسپلن اور بہتر فوائد کا پیامبر ہوتا ہے۔

قرآن میں اس کے دیگر روحانی واخلاقی فوائد بتاتے ہوئے اللہ نے فرمایا ''نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر درحقیقت نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں'' (۱۱۲/۱۱) مفسرین کے وضاحت کے مطابق یہاں نیکیوں سے مراد نماز ہے، حدیث کی وضاحت کے مطابق نماز پنجگانہ ادا کرنے کے بعد ایک مسلمان نمازی (صغائر) گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے ایک دوسری حدیث میں نماز پنجگانہ کے پابند آدمی کو اسی طرح صاف بتایا گیا ہے جس طرح روزآنہ پانچ مرتبہ غسل کرنے والے کے جسم پر میل کا نام نشان نہیں ہوتا۔

نماز کی پابندی دین کا پابند وکاربند بناتی ہے جب کی اس غفلت دین سے برگشتہ کردیتی ہے قرآن میں اللہ نے انبیاء ورسل کے اقوام گزشتہ کا سرسری ذکر کرتے ہوئے اس کی گمراہی اور پھر اس کی ہلاکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''پھر ان کے بعد ان کے ناخلف لوگ جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کردیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے'' (۵۹/۱۹)۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کی پابندی نہ کرنے اور اس کو ضائع کردینے کے سبب ہی سے وہ گمراہی سے دوچار ہوئے ظاہر ہے اگر وہ نماز کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس کے پابند رہتے تو بلاشبہ ہدایت پر قائم رہتے اور اپنے بہتر سلف کے لئے بہتر خلف بنتے۔

نماز اللہ کی ذکر اور اس کی یاد ہے، پنج گانہ نماز کی پابندی گویا کہ روزانہ پانچ مرتبہ اللہ کی یاد دلاتی ہے، اللہ نے فرمایا ''نماز کو میرا ذکر کرنے کے لئے قائم کرو'' (۱۴/۲۰) یہاں نماز کا ایک خاص مقصد یعنی اللہ کا ذکر اور اس کی یاد کی جانب اشارہ ہے، مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو اللہ کو فراموش نہ کرے اللہ کی یاد، اس کی سزا وجزا کا خیال، حشر کے میدان میں اس کا حساب وکتاب، اللہ کی قدرت وقوت وغیرہ جب جب جس تسلسل کے ساتھ ذہن میں زندہ وباقی رکھے گا اس عظیم ترین ذات اقدس کی یاد کے سبب بلاشبہ کہیں نہ کہیں وہ گناہوں سے باز رہنے کی سعی اور نیک کاموں کے بجالانے کی کوشش کرے گا ایک طالب علم کو مان لیجئے دو اساتذہ ہیں ایک بہت سخت اور دوسرا نرم ہیں طالب علم اس سخت استاذ کے ہوم ورک اور ٹاسک کو پورا کرنے کا جتنا خیال رکھتا ہے اور ان کی باتوں کا دھیان رکھتے ہوئے خوب محنت کرتا ہے اس کے مقابلے میں دوسرے استاذ کا نہیں کرتا، اللہ کی ذات اس سے کہیں اعلی وبالا ہے اس کی سزا وجزا کا جس قدر اور جتنا خیال زندہ وباقی ہوگا بندہ شر سے دور اور خیر پر اسی قدر راغب ہوگا۔

نماز کا عام بالغ مسلمانوں کے ہی اخلاق وکردار کی تعمیر اور اسلامی تربیت میں نہیں بلکہ مسلم بچوں کے بہتر اخلاق وکردار سازی اور اسلامی روحانی تربیت میں بہت موثر رول ہے، قرآن کریم میں کئی انبیاء کرامؑ کے تعلق سے بیان ہے کہ وہ اپنے بچوں اور اہل وعیال کو نماز کے تعلق سے خاص تاکید فرماتے اور ان کو نماز کی پابندی کی تلقین کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق سے قرآن میں ایک جگہ ارشاد ربانی ہے کہ انھوں نے اللہ رب العزت سے دعا کیا ''اے ہمارے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا، اے ہمارے رب ہماری دعا قبول فرما'' ایک جگہ اور ارشاد ہے کہ انہوں نے یوں دعا کی ''اے

رب ہمارے میں نے اپنی اولاد کو تیرے گھر کے پاس وادی غیر ذی زرع میں اس لئے بسایا کہ وہ نماز کے پابند بنیں'' یہ اور اس طرح کی کئی ایک آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی آل واولاد کو نماز کی پابندی کے تعلق سے فکر وعمل اور جد جہد کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ اس تعلق سے کتنے حساس تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی خود اپنی اہل اور اولاد کے تعلق سے اس بات کے اتنے ہی متفکر اور اس کے لئے سرگرم قول وعمل رہا کرتے تھے اللہ نے فرمایا: ''اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول نبی تھے وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھے''۔(۱۹/۵۴۔۵۵)

حضرت لقمان علیہ السلام کے تعلق سے سورۃ لقمان میں ان کی وہ موثر، بلیغ اور جامع نصیحتیں جو ہر سماوی دین وشریعت اور مذہب کے لئے دستور اساسی کی حیثیت بھی رکھتی ہے بار بار دیکھنے، پڑھنے کے ساتھ خود بھی اور خصوصاً آنے والی نسل کو اس نہج پر تربیت دینے کی ضرورت ہے کہ اس کے اثرات از حد وسیع اور موثر ہیں۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو توحید کی حفاظت اور شرک سے ممانعت اور والدین کی اطاعت نیز کئی ایک بلیغ نصیحت کے علاوہ فرمایا ''اے میرے بیٹے نماز قائم کرو، نیکی کا حکم دو اور بدی سے منع کرو اور جو مصیبت پڑے اس پر صبر کرو یہ وہ باتیں ہیں جن کی بہت تاکید کی گئی ہے'' (۳۱/۱۷)

نبی ﷺ کو اللہ نے حکم دیا کہ آپ اپنی آل اولاد کو نماز کا حکم کیجئے اللہ نے فرمایا ''اور اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے ہم آپ سے کوئی رزق نہیں چاہتے رزق تو ہم ہی آپ کو دیتے ہیں اور انجام کی بھلائی تقوی ہی کے لئے ہے'' (۲۰/۱۳۲) اور نبی ﷺ کی سیرت سے اسکی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ آپ نے اپنے اہل خانہ کو نماز کے تعلق سے اور آخرت کی فکر وکامیابی کے متعلق سے بار بار احساس دلاتے رہتے تھے رمضان جیسی عبادتوں سے لبریز ماہ میں جبکہ ہر مسلمان عام حالات سے زیادہ عبادات میں زیادہ مشغول رہتا ہے اس ماہ کے تعلق سے آپ کی سرگرمیوں میں ایک خاص سرگرمی یہ بھی تھی کہ راتوں کو شب بیداری کے لئے خود بھی کمربستہ رہتے اور اپنے اہل خانہ کو حتی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی بیدار کرتے اور شب بیداری کی تلقین وتاکید کرتے اور قیام اللیل میں ان سبھوں کو مشغول رکھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ بچوں کو بالخصوص نماز کی تلقین وتاکید کرتے رہنا چاہئے اور انہیں نماز کی پابندی کا عادی بنانا چاہئے اس لئے کہ ان بچوں کو شریعت محمدیہ نے زجر وضرب کی بھی تعلیم دی ہے ایک حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز پڑھنے میں کوتاہی پر مارو''۔

نماز بچوں ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی اخلاقی واسلامی تربیت وتعمیر میں موثر اور اساسی کردار ادا کرتی ہے اللہ نے فرمایا ''یقیناً نماز برے اور فحش کاموں سے روکتی ہے'' (۲۹/۴۵) اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفہیم لکھتے ہیں ''نماز کی یہ خوبی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے اس کے دو پہلو میں سے ایک اس کا وصف لازم بھی ہے یعنی یہ کہ وہ فحشاء اور منکر باتوں سے روکتی ہے اور دوسرا اس کا وصف مطلوب ہے یعنی یہ کہ اس کا پڑھنے والا واقعی فحشاء ومنکر سے رک جائے جہاں تک روکنے کا تعلق ہے نماز لازماً یہ کام کرتی ہے (کہ یہ رب کا فرمان ہے اور وہ فرمان جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا) پھر جو شخص بھی نماز کی نوعیت پر ذرا غور کرے گا وہ تسلیم کرلے گا کہ انسان کو برائیوں سے روکنے کے لئے جتنے بریک بھی لگانے ممکن ہیں ان میں سب سے زیادہ

کارگر بر یک نماز ہی ہوسکتی ہے اب رہا یہ سوال کہ نماز کی پابندی اختیار کرنے کے بعد ہی آدمی عملا برائیوں سے رکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا انحصار خود آدمی پر ہے جو اصلاح نفس کی یہ تربیت لے رہا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی نیت رکھتا ہو اور اس کی کوشش کرے تو نماز کے اصلاحی اثرات اس پر مترتب ہوں گے ورنہ نہیں (جو شخص نماز پڑھتا تو ہے مگر نہ اس سے فائدہ اٹھانے کی نیت رکھتا ہے اور نہ اس کی کوشش کرتا ہے) اس کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہے وہ درحقیقت نماز ہی نہیں پڑھتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جسے اس کی نماز نے اس کو فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز نہیں ہے'' (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ بن عباس بنی ﷺ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''جسکی نماز نے اسے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کردیا'' من لم تنهه صلا ته عن الفحشا ء والمنكر لم يز دد بها من الله الا بعداً'' ابن ابی حاتم۔طبرانی)۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر وتشریح میں رقم طراز ہیں: ''یعنی (بلا شک نماز) بے حیائی و برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعۃً ایسا ہوتا ہے لیکن کب؟ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے ایک تو دوائی کو پابندی اور اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم وڈاکٹر بتلاتے ہیں، دوسرا پرہیز یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثر کو زائل کرنے والی ہوں اس طرح نماز کے اندر اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اس وقت، جب نماز کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق آداب وشرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت وقبولیت کے لئے ضروری ہے۔مثلاً اس کے لئے پہلی چیز اخلاص ہے، ثانیاً طہارت قلب یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو، ثالثاً باجماعت اوقات مقررہ پر اس کا اہتمام ہو، رابعاً ارکان صلاۃ (قرأت رکوع وسجدہ وغیرہ) میں اعتدال اطمینان ہو، خامساً خشوع وخضوع اور رقت کی کیفیت ہو، سادساً مواظبت یعنی پابندی کے ساتھ اس کا التزام ہو، سابعاً رزق حلال کا اہتمام ہو ہماری نمازیں آج ان آداب وشرائط سے عاری ہیں اس لئے اس کے وہ اثرات ہماری زندگی پر ظاہر نہیں ہو پا رہے ہیں جو قرآن میں بتایے گئے ہیں''۔

معلوم ہوا کہ نماز حقیقت میں فحشاء ومنکر سے روکنے اور بہتر اخلاق وکردار سازی میں ضروری کردار ادا کرتی ہے مگر ایک جملے میں شرط یہ ہے کہ وہ صحیح معنوں میں نماز ہو نماز کے ان اثرات کے وہ لوگ بھی قائل ومعترف تھے جو بظاہر اس کے منکر تھے اللہ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے تعلق سے فرمایا کہ جب انہوں نے اپنے قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا تو اس موقع پر ان کی قوم کے نافرمانوں نے کہا ''اے شعیب کیا تجھ کو تیری نماز سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباء واجداد کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے اموال اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار (جسے ناپ تول میں کمی) نہ ہو بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے'' (۱۱/۸۷) اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفہیم نے خوب لکھا ہے ''یہ دراصل ایک طعن آمیز فقرہ ہے جس کی روح آج بھی ہر اس سوسائٹی میں پائیں گے جو اللہ تعالی سے غافل اور فسق وفجور میں ڈوبی ہوئی ہے جو نماز دین داری کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ نمایاں مظہر ہے، اور دین داری کو فاسق وفاجر لوگ ایک خطرناک بلکہ سب سے زیادہ خطرناک مرض سمجھتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کی

سوسائٹی میں علامت مرض شمار ہوتی ہے کسی شخص کواپنے درمیان نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کرانہیں فوراًیہ احساس ہوجاتا ہے کہ اس شخص پر(مرض دینداری) کا حملہ ہوگیاہے پھر یہ لوگ دین داری کی خاصیت کوبھی جانتے ہیں کہ یہ چیز جس شخص کے اندر پیدا ہوجاتی ہے وہ صرف اپنے حسن وعمل پر قانع نہیں رہتا بلکہ دوسرے کوبھی درست کرنے کی کوشش میں رہتا ہےاور بے دینی وبد اخلاقی پرتبصرہ کئے بغیراسے رہانہیں جاتا۔اس لئے کہ نماز پران کا اضطراب صرف اس حیثیت سے نہیں ہوتا کہ ان کے ایک بھائی پر دینداری کا دورہ پڑ گیا ہے بلکہ انہیں اس ساتھ یہ کھٹکا بھی لگا رہتا ہے کہ اب عنقریب اخلاق ودیانت کا وعظ شروع ہونے والا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسی سوسائٹی میں نماز سب سے بڑھ کرطعن وتشنیع کا ہدف بنتی ہےاور اگر کہیں نمازی ان ہی اندیشوں کے مطابق جواس کی نماز سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے،رائیوں پرتنقیداور بھلائیوں کی تلقین بھی شروع کردے تب تو نمازاس طرح کوسی جاتی ہے گویا کہ یہ ساری بلااسی کی لائی ہوئی ہے۔

نماز کی اہمیت نظم وجماعت کے قائم کرنے میں:۔ حضرت موسی علیہ السلام کے تعلق سے اللہ تعالی نے فرمایا’’اور ہم نے موسی اوران کے بھائی کووحی کیا کہ مصر میں چندمکان اپنی قوم کے لئے مہیا کریں اوراپنے ان مکانوں کوقبلہ ٹھرالواورنماز قائم کرو اوراہل ایمان کوبشارت دو‘‘(۱۰/۸۷)اس آیت کی تفسیر میں علماے مفسرین بتلاتے ہیں کہ قوم بنواسرائیل پرظالم حکومت کے تشدداورخوداس قوم کی معصیتوں اورزیادتیوں کے سبب ان کے ایمان وعقائد کمزور سے کمزورتر ہوتے گئے اوراس قوم کا اجتماعی شیرازہ بکھرنے لگاایسےابتر حالات کے پس منظر میں اللہ نے حضرت موسی علیہ السلام کویہ حکم دیا کہ اسلامی معاشرہ کومنظّم ومتحد بنا نے کے لئے ضروری ہے کہ نماز جیسے فریضے کوباجماعت قائم کریں اور جماعت کے لئے مسجد کا قیام کریں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ مسلمان کومنظّم اورمتحد کرنے اوران میں اسلامی آکسیجن فراہم کرنے میں جتنا کردارمساجد(جوباجماعت نماز کے لئے ہے) کا ہےدوسرا کسی کا اتنانہیں ہے۔خیرالقرون کاتصورکیجئے جب مسلمان ابتداء میں نمازچھپ کر پڑھتے تھے وہ ایک منتشراورکس طرح خودکوکمزورسمجھتے تھےلیکن جب انہیں مسجدقائم کرکے باجماعت نماز پڑھنے کا موقع ملاتویہیں سےان کے اندر ہمہ جہت طاقت وقوت اورفروغ وترقی کی مسرت حاصل ہوئی یہ مسجد ہی تھی جہاں شب وروز میں پانچ وقت جمع ہوکرنہ صرف دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ نبی ﷺ کی دوراندیش قیادت وسیادت میں زندگی کے ہمہ جہت مسائل ومشکلات کاازالہ کی کامیاب راہ تلاشنے تھے،آج بھی ہماری مسجد میں قیام صلاۃ باجماعت اسی طرح آباد ہوجائیں تو لاریب کہ ہمیں بھی وہ نظم وقوت اور ہمہ جہت افادیت حاصل ہوگی۔مساجد کےاسلامی سماج کی تعمیروترقی میں کردار کےتعلق سےصفحات تاریخ شاہدعدل ہیں غالباًاس لئے شریعت نے(نماز باجماعت کی اہمیت اوراس کےوسیع تر مفیداثرات کے پیش نظر)نماز باجماعت کی زبردست تاکید کی ہے جیسے اگرکوئی شخص بلاعذرشرعی کےاذان سننے کے بعدمسجد میں باجماعت نماز نہ پڑھنے آئے اورتنہا نماز پڑھ لےتو اس کی نماز نہ ہوگی۔کتاب الکبائر میں علامہ ذہبیؒ نے تو اسے کبائر میں شمار کیا ہےیعنی نماز پڑھ کربھی(باجماعت ترک کرکے)وہ کبیرہ گناہ کرتا ہے،اس ضمن میں انہوں نے کئی ایک حدیثیں بیان کی ہیں۔نماز باجماعت کی تاکیداوراس کے اہتمام کااندازہ اس سے بھی لگانا چاہئے کہ حضرت عبداللہ ابن مکتوم،جوکہ نابینا صحابی تھے،انہوں نے اپنی حددرجہ معذوری کے سبب عرض کیا کہ میں نابیناہوں اورکبھی کبھار مسجد کے دورہونے اورراستے میں موذی جانوروں کے تکلیف دینے کے ڈرسے مجھے تنہا نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے آپ ﷺ نے فرمایا کیاتم اذان کی آواز سنتے ہوتوانہوں نے کہاہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب تم نماز

باجماعت کے ساتھ ادا کیا کرو۔

نماز کی اہمیت دعوت دین میں:- اللہ نے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اور ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ جو آپ سے باتیں کرتے ہیں ان سے آپ کو ضیق ہوتی ہے تو آپ اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائے اور موت آنے تک اللہ کی عبادت کرتے رہئے'' یہاں اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو دعوت حق اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں ان کے ساتھ ہو رہے مسائل و مشکلات اور تکلیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بلا شبہ مخالفین و منکرین کا آپکی دعوت کے جواب میں جو رویہ ہے وہ بہت تکلیف دہ ہے۔ پھر اللہ نے اس درد و مرض کی دوا خود بتلائی کہ نماز کی پابندی کرتے رہئے اور اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے رہئے کہ اس عبادت سے وہ حوصلہ و قوت ملے گی جو دعوت دین کی راہ میں ہر طرح کے مشکلات کا سامنا کرنے میں طاقت و صبر دے گا جرأت و ہمت ملے گی یہ اس عبادت کی برکت سے ہوگی۔

اس جانب سورہ اسراء کی آیات (۷۸ تا ۸۲) میں اشارہ ہے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے دعوت دین اور شریعت پر استقامت برتنے میں خوب مدد ملتی ہے ایسے بھی اللہ تعالی نے نماز کے ذریعہ سے اپنی مدد کا حکم دیا ہے۔ مثلاً فرمایا ''اے مومنو صبر اور نماز سے مدد لو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (۲/۱۵۳) ایک جگہ فرمایا: ''صبر اور نماز سے مدد لو بیشک نماز ایک سخت اور مشکل کام ہے مگر ان فرمابردار بندوں کے لئے مشکل کام نہیں ہے جن کو اپنے رب سے ملنے کا یقین ہے اور اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے'' ۲/۴۵-۴۶) ان آیات سے معلوم ہوا کہ نماز کے ساتھ صبر بھی وہ عمل ہے جس سے بندہ مسلم کو اللہ کی عام مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے خواہ وہ مشکلات دنیا و آخرت سے نجات پانے میں ہو کہ دارین کی سعادت و فلاح کے حصول میں ہو اللہ کی مدد عام کا وعدہ ظاہر ہے عام ہے پھر یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کے مطابق نماز کی پابندی بے حد مشکل کام ہے مگر ان کے لئے نہیں جن کا آخرت پر ایمان بے حد مضبوط ہے انہیں روز جزا کے دن اللہ کے گرفت کا از حد خوف ہے اس معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی پابندی سے کہیں نہ کہیں عقیدہ آخرت کو بھی مضبوطی ملتی ہے اس سے اللہ کی عظمت و کبریائی کا احساس بیدار رہتا ہے جس سے ظاہر ہے بہت سے گناہ سے باز رہنے اور نیکیوں کے کرنے میں انشاء اللہ خوب مدد ملے گی اور ملتی ہی ہے۔

نماز کی اہمیت دیگر شریعتوں میں:- نماز صرف شریعت محمدیہ ہی میں اہمیت و عظمت نہیں ہے بلکہ اسکی یہی اہمیت نبی ﷺ سے قبل مبعوث ہوئے انبیا اور رسلؑ کی شریعتوں میں بھی رہی ہے قرآن کریم میں اس تعلق سے کئی جگہ آیات موجود ہیں۔ مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر بھی یہ نماز فرض تھی اور اس کی اہمیت بھی تھی جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا (۱۱/۸۷) اس طرح سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے تعلق سے بھی ذکر ہوا کہ وہ نماز کو کس قدر اہمیت دیتے تھے حضرت موسیٰؑ کے تعلق سے بھی (۱۰/۸۷) میں ذکر ہوا کہ شریعت موسی علیہ السلام میں بھی اس کی تاکید و تعلیم دی گئی تھی۔

حضرت اسحاق و یعقوبؑ اور ان کے خاندان نبوت میں نماز کو خاص اہمیت و عظمت اور فضیلت حاصل تھی اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور ہم نے اسے اسحاقؑ عطا کیا اور یعقوب اس پر مزید اور ہر ایک کو صالح بنایا اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے انہیں بذریعہ وحی نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے اور زکوہ دینے کی ہدایت کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے'' (۲۱/۷۲-۷۳)

حضرت عیسی علیہ السلام کے تعلق سے اللہ نے ارشاد فرمایا: ''(حضرت عیسی علیہ السلام شیر خواری کی مدت میں بول

اٹھے) میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں اور نماز وزکوۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں (۱۹/۳۰۔۳۱)۔

نمازیوں کے لئے بشارت:- قرآن کریم میں متعدد جگہ نمازیوں کے لئے بشارت وخوشخبری اور ہر دو جہان میں رب کی رضا ورحمت کا وعدہ ہے چند آیات ملاحظہ کیجئے اللہ نے فرمایا: ''(قرآن) ہدایت ہے متقیوں کے لئے جو غیب کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' (۲/۲۔۳) اور فرمایا: ''ہدایت وخوشخبری ہے ایمان والوں کے لئے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں'' (۲۷/۲۔۳) اور فرمایا: ''تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگی کی پونجی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر اور پائدار ہے (اور یہ نعمت اس کے لئے ہے) جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصہ کے وقت معاف کردیتے ہیں اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں .....'' (۴۲/۳۶۔۳۸) نیز فرمایا: ''اور خوشخبری سنادیجئے انہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھرا جاتے ہیں انہیں جو برائی پہنچے اس پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۲۲/۳۴۔۳۵) اس طرح کی اور کئی آیات ہیں۔

قرآن کے حوالے سے نماز کے متعلق سے یہ چند بنیادی باتیں ہیں حالانکہ اس موضوع پر صرف قرآن کے حوالے سے لکھا جائے تو اس کے لئے صفحات کی ضرورت ہوگی بہ ایں ہمہ ان سطور گذشتہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں نماز کی کیا اہمیت ہے دراصل نماز دین کی روح ہے اس کی مثال (حدیث صحیح کے مطابق) آدمی کے جسم کے مانند ہے اگر اس کے سر کو تن سے جدا کردیا جائے تو مردہ وجود ہے جس کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں اسے زندوں کی دنیا سے دور منوں مٹی کے نیچے دفنانا بہتر ہے اسی طرح وہ مسلمان جس کی زندگی میں نماز نہ ہو وہ اسی مردہ آدمی کی طرح ہے یعنی وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ ائمہ کرام کی وضاحت کے مطابق وہ مسلمان ہی نہیں ہے اسے یا تو قید کردیا جائے یا اس کو سزا دیکر شہر بدر کردیا جائے یہ اور اس جیسے کتنے ہی سخت فتاوی بے نمازیوں کے بارے میں دیئے گئے ہیں۔

لہذا ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہر مسلمان کو دعا اور دوا ہر دو طریقے سے نماز کی پابندی کی کوشش کرتے رہنا لازمی ہے یہ نماز ہی ہے جو اس کا تعلق اللہ سے جوڑے رکھتی ہے کہ وہ صبح ہوتے ہی جب نیند سے بیدار ہو کر اللہ کا نام لیتا ہے اس کے آگے سربسجود ہوتا ہے قیام ورکوع اور سجود میں اس کی تعریف وکبریائی بیان کرتا ہے اور اپنی عاجزی کا اظہار کرکے اپنے گناہوں کی معافی اور دارین کی فلاح کا سوال کرتا ہے تو وہ زندگی کی بھول بھلیوں میں گم ہونے کے باوجود اللہ کو نہیں بھولپاتا دن کی مصروفیتوں کے بیچ الگ الگ نماز بندے کو بلاشبہ جوڑنے اور اس کی یاد سے دل کو آباد رکھنے کا ہی کام کرتی ہے یہاں تک کی وہ جب رات کو سونے کے لئے جاتا ہے تو اس سے عین قبل نماز ادا کرکے سوتا ہے تو اس طرح اس کا شب روز یوں ذکر وفکر الٰہی اور اس کی یاد سے وابستگی اور شکر وامتنان میں گزرتا ہے دین سے تعلق اور اللہ سے جوڑے رکھ کر مذہب کی پابندی کی خو ڈالنے میں یوں جس طرح نماز اپنا کردار ادا کرتی ہے دنیا کے کسی بھی مذہب ودھرم میں اسکی مثال نہیں ملتی بلاشبہ یہ بھی نماز کا اعجاز عظیم ہے .....''۔☆☆☆

علامہ اقبال ایک ہمہ گیر شاعر

عبدالخالق
ریسرچ اسکالر مہاتما گاندھی کاشی ودیاپیٹھ، وارانسی

اقبال بیسویں صدی کی وہ معروف ومشہور شخصیت ہے جو اپنی امتیازی خوبیوں کی وجہ سے بہت دور سے پہچان لی جاتی ہے یہ وہ مرد مجاہد ہے جس کی تلوار احساس وفکر کی گرمی ہے جو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہو کر دشمنان انسانیت کا گلا گھونٹ دینے کا پیغام دیتی ہے اور دنیا میں امن وشانتی، عدل وانصاف کی فضا پیدا کرنا چاہتی ہے، اقبال وہ مرد کامل ہے جس نے اپنے فلسفہ اور اصول ونظریات کو شاعری کے حوالے سے اس طرح پیش کیا کہ اس میں حقیقت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ زندگی کی جستجو نظر آنے لگتی ہے، اس نے سماج ومعاشرہ میں ہی نہیں بلکہ عالمی پیمانہ پر پائی جانے والی ظلم وستم، ناانصافی وبربریت کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا اور حق گوئی وبے باکی کا زندہ نمونہ بن کر سامنے آتا ہے، جو انسانیت کے مردہ جسم میں جذبۂ عشق، جوش عمل، یقین اور خودی کے اوصاف پیدا کر کے لوگوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کیا، کیونکہ اس دور میں انسانیت مایوس ہو چکی تھی، بے عملی اور غلامی نے ان کی کمر توڑ دی تھی، ہمت وحوصلہ نام کی کوئی چیز نہ تھی، لوگ زندگی اور اس کی لطف اندوزی سے محروم ہونے لگے تھے، اور زندگی جینا ان کے لئے سب سے مشکل امر نظر آنے لگا تھا، لوگ خانقاہوں اور تصوف کے گلیاروں میں پناہ ڈھونڈنے لگے تھے۔

غالب کے بعد اقبال ایسے پہلے اردو شاعر ہیں جنہیں عوام وخواص نے یکساں طور پر ہاتھوں ہاتھ لیا ہو، عام طور سے انسان اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے نظم ونثر کے وسیلے اختیار کرتا ہے، ان دونوں میں سب سے اہم اور مؤثر طریقہ شاعری کا ہے جو نثر سے پہلے وجود میں آئی اور اپنے اعلی صفات کے ساتھ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے، اس کی جادوئی صفت سے کسی کو انکار نہیں ہے جسے اقبال اپنے خون جگر سے تشبیہ دی ہے ۔

میرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے ہم نے پالے ہیں

اقبال کی ہمہ گیریت ومقبولیت میں کوئی کلام نہیں، اس کی واضح مثال یہ ہے کہ شعر وشاعری کا ادنی شوق رکھنے والا بھی اقبال سے متعارف ہے، اقبال کے موضوع کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کو اپنی شاعری کے واسطے سے نہ پیش کیا ہو، انہوں نے ایک طرف نوجوانوں کو خطاب کیا تو دوسری طرف فلسفہ خودی کے ذریعہ خفتہ احساسات کو بیدار کرنے کی کوشش کی ۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے ایک ٹوٹا ہوا تارا

اقبال نے نوجوانوں کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا، چھوٹی چھوٹی تمثیلی نظموں سے ان کی سوچ وفکر میں حق

وباطل کی تمیز کے ساتھ ساتھ انسانیت کا درس بھی دینے کی کوشش کی ہے۔

اقبال اپنے دور کے ہی نہیں بلکہ ہماری صدی کے بھی ہر دلعزیز شاعر ہیں جن کی شاعری میں پوری تہذیب ہے، پروفیسر محمد حسن صاحب نے کہا ہے کہ: ''اقبال کی شاعری کو یاد کرنا اپنی تہذیب کو یاد کرنا ہے''، یہ اقبال کی شاعری کی بہت اچھی ترجمانی ہے، اس لیے کہ ان کی شاعری میں حوصلہ زندگی اور کشمکش حیات ہے، جذبہ وجوش اور امنگ ہے، وہ جوانی کی ترنگ کے ساتھ ساتھ زندگی کے نشیب وفراز سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، آپ کی شاعری میں اعلیٰ قسم کی شاعری کے تمام لوازمات وشرائط بدرجہ اتم موجود ہیں۔ شعر کی جو بھی تعریف کی گئی ہے مثلاً شیلے نے کہا: ''شعر تخیل کی زبان ہے''، میتھو آرنلڈ نے کہا: ''شاعری تنقید حیات ہے''، کارلائل نے کہا: ''شعر مترنم خیال ہے''، ابن رشیق نے کہا: ''شعر ایسا کلام ہے جو موزوں اور مقفی ہو اور بالارادہ لکھا گیا ہو''، شبلی نے کہا: ''جو جذبات الفاظ کے ذریعہ ادا ہوں شعر ہے''، ملٹن نے شعر کی خوبی یوں بیان کی ہے: ''سادہ ہو، جوش سے بھرا ہو، اور اصلیت پر مبنی ہو''، ان تمام تعریفوں کی کوئی کسوٹی پر اقبال کی شاعری کھری اترتی ہے۔

اقبال کی شاعری میں بلند خیالی ہے، ان کے تصورات نہایت پاکیزہ اور نفاست سے پر ہیں، جس کے ذریعہ انسانیت کو فعال اور متحرک بنانے کے ساتھ ساتھ دور اندیشی اور بصیرت کی دولت سے مالا مال کیا جا سکتا ہے ؎

نگہہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

واقعی اقبال کی شاعری آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اگر کوئی دانشمند اقبال کی شاعری کا مطالعہ کرتا ہے تو اقبال کی شاعری کا ایک ایک لفظ اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ زمان ومکان کے حدود سے اٹھ کر ایک ایسا جہاں پیدا کرو جس میں انسانیت کا بول بالا ہو، ایک نئے جہاں کا تصور جتنے خوبصورت انداز میں اقبال نے پیش کیا ہے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملتا ہے۔

تو اے اسیر مکاں لامکاں سے دور نہیں وہ جلوہ گاہ تیرے خاک داں سے دور نہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر زمیں اور بھی آسماں اور بھی ہیں

یہ حقیقت ہے کہ انسانیت کی ترقی اور اس کی فلاح کے لیے اقبال نے اپنی خلوص وللّٰہیت کی حد کر دی ہے، ان کے دل ودماغ میں یہ باتیں گونجتی ہیں کہ وہ کون سی جڑی بوٹی لائی جائے وہ کونسا طریقہ اپنایا جائے کہ دنیا انسانیت اور امن وسکون کا گہوارہ بن جائے، اقبال نے ایک فلسفہ فرد کی ترقی کا پیش کیا اور یہ سوچا کہ اگر باغیچہ کا ایک ایک درخت اور ایک ایک پھول کی حالت ٹھیک ہو جائے تو یہ چمن خود نہایت خوشگوار ہو جائے گا، اقبال نے خودی کا ایسا لازوال فلسفہ پیش کیا اور ''اسرار خودی'' سے آگاہ کیا کہ آج ان کی صرف ''خودی'' کے اصول پر بے شمار مضامین شائع ہو چکے ہیں، اس کی تشریح وتوضیح لوگوں نے مختلف طرح سے کی ہے، یہ سب ہوتے ہوئے بھی اقبال کہتے ہیں کہ: ''اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے''، دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ ہر فرد بشر کو خودی کے رنگ میں اس قدر رنگ دینا چاہتے ہیں کہ وہ اس کے وسیلے ترقی سے ترقی وفلاح کی سیڑھی پر گامزن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ خود اس سے کہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے، وہ کہتے ہیں ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
یقیں محکم ،عمل پیہم ، محبت فاتح عالم جہادِ زندگانی میں ہے یہ مردوں کی شمشیریں

اقبال نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر قوم ومعاشرہ کی ترقی کے لیے اور دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے جوانوں کو زیادہ مناسب پایا ہے اور کہا ہے کہ نوجوان کسی بھی قوم وملک کی روح ہوا کرتے ہیں، قوم کی تقدیر بدلنے کا سب سے اہم کردار نوجوان ہی ادا کرتے ہیں، اس لیے اقبال نے ان کی تربیت بہت ہی اچھے انداز میں کی ہے، نوجوانوں کے خون میں جو گرمی وجوش وجذبہ ہے اور جو حوصلہ وہمت ہے، اقبال نے اسے جس طرح محسوس کیا ہے کسی اور کی نگاہ اسے نہ تاڑ سکی۔

فرد کی غلامی سے آزاد کر جوانوں کی پیروں کا استاد کر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے

جس طرح گوہر کی قیمت کوئی ماہر جوہری ہی لگا سکتا ہے اسی طرح جوانوں کی قیمت کا اندازہ اقبال جیسے شاعر مفکر اور دانش ور ہی کر سکتے ہیں، اسی لیے تو ان کے لیے بہترین پیکیج بھی اقبال پیش کرتے ہیں، یقین کامل، عمل پیہم، جہد مسلسل کی شکل میں، شاہین بننے اور خود کو غلامی سے آزاد کرنے کا درس دیا ہے ؎

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

''زندگی'' اقبال کے نزدیک سب سے بیش قیمت موتی ہے اور وہ زندگی کو موتی کی طرح چمکتے دیکھنا چاہتے تھے، دراصل مغرب کے مقابلہ اہل مشرق اپنی زندگی سے مایوس نظر آنے لگے، اس لیے زندگی کو کبھی سرآدم کبھی ضمیر کن فکاں کہتے ہیں ؎

پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی

اقبال نے اپنے احساس اور فکر کو شاعری میں ڈھال دیا ہے، جس میں علم وفن کی وسعت وہمہ گیری نظر آتی ہے:

تیرے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

اقبال کا سب سے معروف ومشہور فلسفہ ''خودی'' ہے، اقبال نے اپنی کلیات میں اگر سب سے زیادہ کسی لفظ کا اعادہ کیا ہے تو وہ خودی ہے، مختلف طریقے سے اس کے رموز واشارات سے واقف کرانا چاہتے ہیں، وہ خودی سے بہت بڑا کام لینا چاہتے تھے، اقبال خواہش، تمنا اور آرزو کو بیکار نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کو عین حیات سمجھتے تھے اور اس کی تکمیل تک پہنچتے ہیں اور عمل ہی کے ذریعہ انسان کائنات کو سنوارتا ہے اور عقل وشعور کو صحیح طریقے پر لگاتا ہے۔

پروفیسر محمد حسن صاحب کہتے ہیں کہ:

''اقبال اس نتیجے پر پہنچے کہ قوموں کا عروج وزوال اتفاق نہیں، قانون فطرت کا پابند ہے، اور وہ اصول ہے اقوام کی ''باطنی خواہش زیست'' جس قوم میں زندگی کی یہ خواہش جتنی زیادہ ہوگی وہ اتنا ہی عروج پائے گی، اسی خواہش زیست کو اقبال نے خودی کا نام دیا ہے؟ اور ایسے تمام فلسفوں تحریکوں اور اداروں کی مخالفت کی جو اس کے خواہش زیست کو کمزور کرتی ہے''۔

اقبال کے سامنے اقوام عالم کا ماضی اور ان کے عروج وزوال کی پوری تاریخ موجود تھی، حضرت خضر کے وسیلے سے ہمیں کس طرح سے روشناس کرایا ہے ؎

زندگی کا راز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ ومحنت میں ہے کیسا خروش

اقبال نے زندگی کے راز کو مختلف پیرایے سے بتانے کی کوشش کی ہے اور اس میں پنہاں خوبیوں سے متعارف کرانا چاہا ہے، وہ قوم جس میں حوصلہ، ہمت، جوش، جذبہ سب سرد پڑ چکا ہے، ان میں رہبانیت پیدا ہو چکی ہے، تصوفانہ زندگی میں اپنی بقا اور حیات سمجھ رہے تھے، ان کے دل ودماغ میں یہ بات پیدا ہو چکی تھی کہ گناہ کی جڑ بس بے جا آرزوئیں خواہشیں اور تمنائیں ہیں، ان کو منفی نہیں مثبت ہونا چاہئے۔ ان باطل وفاسد خیالات کا خاتمہ علامہ اقبال نے یقیں محکم عمل پیہم سے کیا، نیز قرآن مقدس کے حوالے سے کہا: لا تقنطوا من رحمة الله۔

اقبال نے کہا نا امید نہ ہو اپنے دل ودماغ سے غلط خیالات کو دور کرو، اٹھو ابھی تاریخ کا خاتمہ نہیں ہوا ہے، اٹھو ذرا اپنی ماضی کی روشن تاریخ تو دیکھو، دنیا کے چپہ چپہ ہی پر نہیں بلکہ چرند پرند پر بھی تمہاری حکومت تھی، بیدار ہو جاؤ اور اس جوہر کو تلاش کرو، جس نے قوم کی تقدیر بدل دی، تمہاری ذات کے اندر توانائی ہے، بے پناہ قوت وطاقت ہے، جس نے پوری دنیا سے لوہا منوالیا ہے۔

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی

بعض نقادان فن نے اقبال پر اعتراض کیا اور کہا کہ وہ اسلامی طرز فکر اور اسلامی نظام حیات کی طرف جھکتے نظر آتے ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں خودی کا سرنہاں لا الہ الا اللہ، بہرحال ایسے بے شمار شواہد موجود ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے اپنے فلسفہ اور اصول ونظریات کے لیے اسلامی اصطلاحیں استعمال کی ہیں، بلکہ بہت ہی بہتر طریقے سے کیا ہے، میرے خیال میں اقبال کے یہاں اسلام کے علاوہ دوسرے نظریات بھی تھے، جس کے حوالے سے اقبال اپنی بات پیش کر سکتے تھے، لیکن اقبال کے خیال میں وہ نظریات مجموعی اعتبار سے مکمل نہیں، کوئی مادی اعتبار سے مکمل ہے تو روحانیت مفقود ہے، اور اگر کسی میں روحانیت ہے تو مادیت مفقود ہے اور اسلام ہی وہ مکمل نظریات پیش کرتا ہے جس میں بے پناہ وسعت ہے اور جس میں مادیت اور روحانیت کا بہترین امتزاج ہے، اسلام جو نظام حیات پیش کرتا ہے وہ مکمل ہے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اس سے اہم کوئی دوسرا نظریہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اقبال نے جس زمانہ میں شعر وشاعری شروع کی اس کا طائرانہ مطالعہ کریں تو اس زمانے کے حالات وکیفیات سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی غلامی محض سیاسی نہ تھی، بلکہ مذہبی اور تہذیبی بھی تھی اور اس زمانہ میں انگریزوں نے مذہب کی ترویج واشاعت کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، اس لیے یہاں کے لوگوں کو صرف سیاسی آزادی ہی نہیں بلکہ مذہبی اور تہذیبی آزادی بھی چاہئے تھی، یہ حقیقت ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی تہذیب میں مذہب کی زیادہ اہمیت تھی، وجہ ظاہر ہے اول تو اقبال کے دور میں ہندوستان کی تقریباً سبھی سیاسی اور فکری لڑائیاں مذہبی پیرائے میں لڑی جاریہ تھی، راجہ رام موہن رائے کا برہمن سماج، اروند گھوش کا فلسفہ اور تلک کی بھگوت گیتا کی تشریح، مہاتما گاندھی کا مذہبی رویہ، ان سب کی نشاندہی کرتی ہے کہ مذہب اس دور کا وسیلۂ اظہار تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کے تمام معاملات میں جس طرح سے اسلام رہنمائی کرتا ہے، کسی اور مذہب میں اتنی وسعت نہیں، اس سے اقبال کی آفاقیت اور عالمگیریت پر انگشت نمائی کرنا غلط ہے۔

☆☆☆

نئی نسل پر ٹی وی کیبل کلچر کے تباہ کن اثرات

ماہرین نفسیات وامراض، معلمین اور معاشرتی امور کے ماہرین نے نوخیز نسل پر ٹی وی کے اثرات کا نہایت سنجیدگی سے جائزہ لیا ہے۔ ایک سروے کے مطابق پانچ سال سے کم عمر کے بچے ہر ہفتے تئیس اعشاریہ پانچ گھنٹے (۲۳ء۵) ٹی وی پروگرام دیکھتے ہیں اس طرح وسطانوی مدرسہ کے طلبہ کم سے کم پندرہ گھنٹہ فی ہفتہ ٹی وی اسکرین کے سامنے بیٹھکر وقت گزارتے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ وقت ہے جو سونے کے سوا کسی اور کام میں صرف کرتے ہیں۔ چنانچہ والدین کے بعد ٹی وی نوخیز نسل کے عقائد، خیالات، تصورات، رجحانات، عادات واطوار، طور طریق، طرز عمل اور معاشرتی اقدار پر اثر انداز ہونے والا طاقت ورترین ذریعہ ہے۔

ٹی وی نئی نسل کی جارحیت پسندی کا سبب

بچوں کے ماہرین نفسیات نے پچاس جامع قسم کی تحقیقاتی رپورٹوں پر جن میں ہر پس منظر سے تعلق رکھنے والے دس ہزار بچے شامل ہیں، تبصرہ کیا اور بتایا ہے کہ ان رپورٹوں کو دیکھنے سے ظاہر ہوا کہ ٹی وی پر نظر آنے والا تشدد نوخیز نسل کو جارحیت پر اکساتا اور ترغیب دیتا رہا ہے۔ وہ اپنے تبصرہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ٹی وی پر تشدد کے پروگرام دکھانے کے خلاف طب جیسے حساس پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد کو بہت پہلے منظم احتجاج کرنا چاہیے تھا۔ ٹی وی پر مار دھاڑ اور خون خرابے کے منظر کو کثرت اور تواتر سے دکھانے کی پالیسی پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔

ٹی وی سے بچوں کے ذھنی نشونما پر برے اثرات

ٹی وی پر دکھائے جانے والے پروگرام بچوں کی ذھنی نشونما اور ان کے میلان طبع پر کاری ضرب لگا رہے ہیں، نتیجہ کے طور پر بچے پڑھائی اور بیرون خانہ سرگرمیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور غور خوض کے حق سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اب بچوں کے والدین میں بھی ٹی وی کے ان مضر پروگرام کی مخالفت کی سکت باقی نہیں رہی۔

ٹی وی کی مضبوط گرفت

اس ضمن میں اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے ایک ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ اسکول کی چھٹیوں میں بڑے اہتمام سے اپنے بچوں کو سیر کرانے کے لیے دوسرے شہر لے گئے تھے۔ انھیں سخت مایوسی ہوئی کہ شہر اپنی پوری آب تاب، کشش، رونق اور گہما گہمی کے باوجود میرے بچوں کو ٹی وی کی دل کش اور سحر انگیزی سے باز نہیں رکھ سکا۔ یہ ٹی وی کا سحر ہے کہ بچے اس کے سامنے خاموش ہو جاتے ہیں وہ گھر میں ٹی وی کے سانے بیٹھتے ہی خاموش ہو جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات چیت کے لیے بالکل نہیں تیار ہیں۔

والدین اور بچوں کے باہمی تعلقات

ایک معروف ڈاکٹر نے اپنا شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ٹی وی نے بچوں اور ان کے والدین کے باہمی تعلقات کو، جو بچوں کے ذہنی نشونما اور بالیدگی کے لیے بے حد ضروری ہیں تتر بتر کر کے رکھ دیا ہے اور اس سے بچوں پر بہت بڑا اثر پڑ رہا ہے۔

ٹی وی اور بچوں کی قوت متخیلہ

ٹی وی کی ایک مطالعاتی رپوٹ سے معلوم ہوا کہ ٹی وی دیکھنے کی لت پڑ جانے سے بچوں کی قوت متخیلہ بری طرح متاثر ہو رہی

ہے۔ایک ریسرچ ٹیم نے ابتدائی جماعتوں کے دوسو پچاس ذہین ترین اعلی صلاحیتوں کے بچوں کو تین ہفتے تک اپنے گہرے مشاہدہ میں رکھا تو اس سے پتہ چلا کہ ان بچوں کی ہر قسم کی تخلیقی صلاحیتوں میں زبردست انحطاط رونما ہوا۔نرسری اسکولوں کے اساتذہ نے ٹی وی کی پہلی نسل کا مشاہدہ کرنے کے بعد بتایا کی ماضی کے مقابلے میں بچوں کے کھیلوں کی نوعیت کم تخیلاتی ہورہی ہے اوران میں بے ساختگی کا فقدان پیدا ہورہا ہے۔بچوں میں اپنے کھلونے بنانے کی صلاحیت بھی ختم ہورہی ہے۔نفسیات کے ایک پروفیسر نے بتایا کہ وہ بچپن میں اپنے کھلونے خود بنایا کرتے تھے،لیکن موجودہ نسل ایسا نہیں کرتی ہے۔وہ اپنی مرضی سے کوئی کھیل کھیلتی ہے اور نہ اپنے کھلونے بناتی ہے۔اس کے تمام کھیل اب ٹی وی تجویز کرتا ہے اوراس کی رہنمائی کرتا ہے۔موجودہ نسل اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو خود ہی خراب کررہی ہے۔ بیشتر اسکولوں کے اساتذہ کو اب ایسے بچوں سے واسطہ ہے، جو نہایت آسان اور معمولی اسباق کو بھی بصری تشریحات (VISUAL ALLUSTERATIONS) کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔بصری تشریحات میں تصویر خاکے، چارٹ، نقشہ جات، ڈائی گرام اور فلمیں شامل ہیں۔

ٹی وی سے بچوں میں بے خوفی اور نڈرپن

ٹی وی تجزیہ نگاروں نے انکشاف کیا ہے کہ ٹی وی پر مار دھاڑ اور خون خرابے کی فلمیں دکھانے سے بچوں میں خوف وہراس اور خوں ریزی سے اثر پذیر رجحان ختم ہوتا جارہا ہے،اب وہ تشدد کے واقعات سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے۔ان کا خیال ہے کہ تشدد کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، بلکہ یہ زندگی کا ایک مانوس حصہ ہے۔

ایک فکرانگیز تحقیقاتی رپورٹ

اس رپورٹ کے مطابق ایک طالب علم اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے تک ٹی وی پر تشدد کے دولاکھ مناظر دیکھ چکا تھا۔ٹی وی کا تشدد آمیز ماحول اس پر تین طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔نمبر ایک،اسے جارحیت پسند بناتا ہے۔نمبر دو،تشدد کے حوالے سے اس کی موجودہ حساسیت میں کمی واقع ہوتی ہے نمبر تین، وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دنیا میں ہزاروں بے کس لوگوں پر تشدد ہوتا رہتا ہے۔یہاں ہر سو اور ہر وقت خوف وہراس کی فضا مسلط رہی ہے اور دنیا دہشت گردوں کا بسیرا ہے۔اس رپوٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جن بچوں کو ٹی وی سے دور رکھا گیا تھا، ان کے جارحانہ رویہ میں حیرت انگیز کمی واقع ہوئی۔ایک معروف تحقیق کار اوراس کے چار ساتھیوں نے دو پبلک اسکولوں کی تیسری اور چوتھی جماعت کے ساٹھ بچوں پر بعض تجربات کئے۔کھیل کے میدانوں میں اور مطالعہ کے دوران بھی انھیں چیک کیا گیا۔ان کی شرارتوں کے بارے میں ٹی وی پر ان کے والدین سے بھی دریافت کیا گیا۔انھوں نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں بتایا کہ ان بچوں نے چھ ماہ کے دوران اٹھارہ اسباق کو پڑھا۔ان کی نصف تعداد نے ٹی وی اور انٹرنیٹ کا استعمال کردیا اوران میں بہت کم دلچسپی لی۔شریر اور جارحانہ طبیعت کے بچوں کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کی گئی۔انہوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا چوں کہ ٹی وی پروگراموں میں تشدد کے مناظر دکھائے جاتے ہیں،اس لیے ان سے بچوں کا متاثر ہونا غیر فطری نہیں ہے۔

ٹی وی سے بچوں کا تماشائی بننے کا رجحان

ٹی وی سے بچوں میں تماشائی بننے کا رجحان پیدا ہورہا ہے۔ایک دوسرے تحقیق کار کہتے ہیں کہ ٹی وی بچوں میں آہستہ آہستہ تماشائی بننے کا رجحان پیدا کررہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچے حقیقی زندگی میں اپنے ذاتی تجربات سے دست کش ہوتے جارہے ہیں۔

ٹی وی اور بچوں کی مجہولیت

ٹی وی بنیادی طور پر بچوں کی مجہولیت، غائب دماغی اور فریب نظر کا درس دیتا ہے۔ چنانچہ پوچھنے پر ایک بچہ نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی کہیں گیا تھا۔ اس نے وہاں کچھ چیزیں دیکھی تھیں اور اس نے کچھ دیر وہاں کام بھی کیا تھا، حلانکہ وہ گھر سے باہر کہیں نہیں گیا تھا۔

ٹی وی پر تشدد کے مناظر کی نمائش

ایک بحث کا عنوان تھا ''ٹی وی پر دکھائے جانے والے تشدد سے نوخیز نسل کے جارحانہ طرز عمل کا کیا تعلق ہے'' اس مباحثہ میں حصہ لیتے ہوئے بعض وطن پرست افراد نے اعتراف کیا کہ ٹی وی پروگرام دیکھ کر بچے سماج دشمن اقدامات کی نقل کرتے ہیں بچوں کے بارے میں ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق بچوں نے اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے جرائم کے ارتکاب کے طریقے ٹی وی سے سیکھے ہیں۔

ٹی وی اشتہارات اور بچوں کے والدین

ٹی وی پر دیکھائے جانے والے اشتھارات کے بارے میں بچوں کے والدین میں سخت غصہ پایا جاتا ہے۔ ٹی وی اشتہارات کے ذریعہ بچوں کو مضر صحت شوگر کوٹڈ ٹافیاں، مٹھائیاں، آئس کریم اور چیونگم کھانے کی ترغیب دی جاتی ہے جس کی وجہ سے بچوں کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے، بچوں کے والدین ان پروگراموں سے سخت برگشتہ اور نالاں ہوتے ہیں اور انھوں نے کھانے پینے کی مضر صحت چیزوں کی ٹی وی اشتہارات کے ذریعے کی جانے والی پبلسٹی کی سخت مذمت کی اور کہا کہ یہ بچوں کی صحت پر برے اثر ڈالتے ہیں۔ نیز ان سے بچوں کے اخلاقیات پر بھی تباہ کن اثر پڑ رہے ہیں اور ان کی اخلاقی حالت میں مستقلاً بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ ٹی وی کی وجہ سے ہمارا معاشرتی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں اگر کچھ کسر باقی تھی تو انٹرنیٹ اور موبائلز کے غلط استعمال نے پوری کر دی ہے۔

وقت دعا

پہلے صبح کے وقت ہمارے گھر قال اللہ اور قال الرسول اور تلاوت کلام پاک کی آواز سے گونجا کرتے تھے۔ اب ان کی جگہ پوپ میوزک اور اوٹ پٹانگ قسم کے نغموں اور بے مقصد پروگراموں نے لی ہے۔ پہلے بچے پابندی سے نماز پڑھتے، قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اس کے بعد اپنی پڑھائی میں مصروف ہو جایا کرتے تھے، لیکن اب بستر سے اٹھ کر ٹی وی یا انٹرنیٹ آن کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اب ان کو ناشتے کی فکر ہوتی ہے نہ پڑھائی کی اور نہ اسکول جانے کی۔ ٹی وی کی وجہ سے ان کی اخلاقی حالت خطرناک حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔ اب ان میں نہ بڑوں کا احترام باقی رہا اور نہ چھوٹوں کے ساتھ شفقت کے برتاؤ کا حوصلہ۔ وہ دن بہ دن جارحیت پسند ہوتے جا رہے ہیں۔ ٹی وی کی پر تشدد مخرب اخلاق فلمیں اور فضول ڈرامے دیکھ کر ان میں سماج دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ اب ان پر نہ تو کسی نصیحت کا اثر ہوتا ہے اور نہ والدین کا خوف اور ڈر انھیں اپنی سرگرمیوں سے باز رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو وقت بچتا ہے وہ موبائل پر ایس ایم ایس اور دوستوں سے باتیں کرنے میں گزر جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ رفتہ رفتہ حالات ہماری دسترس سے باہر ہوتے جا رہے ہیں، جس پر بھرپور توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم سب کو اپنی نوجوان نسل کے لیے خیر و عافیت اور کامیابی کی ہمہ وقت دعا مانگنی چاہیے۔

(بشکریہ ماہنامہ ''فکر صحت''، رامپور، جون ۲۰۱۱ء)

☆☆☆

اخبار جامعہ

☆ جامعہ سلفیہ بنارس میں عربی زبان کا ریفریشر کورس

جامعہ سلفیہ میں عربی زبان پڑھانے والے اساتذہ کے لیے ایک ریفریشر کورس کا انعقاد کیا گیا ہے جس میں جامعۃ الملک سعود ریاض کے اساتذہ درس دیں گے، اس پروگرام میں شرکت کے لیے جامعہ سے ملحق مدارس کے علاوہ بعض منتخب مدارس کے اساتذہ کو بھی دعوت دی گئی ہے، اب تک موصول منظوری کے مطابق امید کی جاتی ہے کہ شریک ہونے والے اساتذہ کی تعداد پچاس سے زائد ہوگی۔

اس پروگرام کا افتتاحی اجلاس ۲۴ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز سنیچر جامعہ کے قاعۃ المحاضرات میں رئیس الجامعہ ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم ر حفظہ اللہ کے زیر صدارت منعقد ہوگا، ان شاء اللہ۔

۲۴ تا ۲۹ ر ستمبر تک چلنے والے اس ریفریشر کورس کے تمام کلاسیز جامعہ میں ہوں گے نیز مہمان اساتذہ وشرکاء کے قیام وطعام کا انتظام بھی اندرون جامعہ میں رکھا گیا ہے۔

☆ جامعہ سلفیہ بنارس میں اجلاس عام

جامعہ سلفیہ میں مورخہ ۲۴ ر ستمبر ۲۰۱۱ء بروز سنیچر بعد نماز عشاء ایک عظیم الشان اجلاس عام منعقد ہوگا، جس کی صدارت جماعت کے بزرگ عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ فرمائیں گے، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی محترم شیخ اصغر علی امام مہدی السّلفی اس اجلاس کے مہمان خصوصی ہوں گے، شیخ ظفر الحسن مدنی ر شارجہ، شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی ر دہلی، اور مولانا محمد مقیم فیضی اجلاس سے خطاب فرمائیں گے، ان شاء اللہ۔

☆ جامعہ سلفیہ میں مجلس منتظمہ کا اجلاس

جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس عاملہ (منتظمہ) جو معزز مقامی وغیر مقامی اراکین پر مشتمل ہے، اس کا سالانہ اجلاس مورخہ ۲۵ ر ستمبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار صبح ۱۰ ر بجے منعقد ہوگا اس اجتماع میں اراکین محترمین ومدعوین خصوصی جامعہ سے متعلق مختلف اہم امور پر تبادلۂ خیال فرمائیں گے ان شاء اللہ، اور امید ہے کہ اس اجتماع میں جامعہ اور اس کے نظام تعلیم وتربیت سے متعلق اہم فیصلے لیے جائیں گے۔

☆ رمضان وعید الفطر کی تعطیل کے بعد دوبارہ تعلیم کا آغاز

رمضان وعید الفطر کی تعطیل کے بعد ۷ ر شوال مطابق ۶ ر ستمبر کو جامعہ سلفیہ میں تعلیم شروع ہوئی، دوسرے روز سے ماشاء اللہ تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں اپنے معمول پر لوٹ آئیں۔

☆ ندوۃ الطلبہ کی انجمن کا آغاز

عید الفطر کی تعطیل کے بعد ندوۃ الطلبہ کی تقریری انجمن کا آغاز بروز جمعرات ۱۵ ر ستمبر ۲۰۱۱ء ہوا، تقریر کرنے والے طلباء کو ۱۲ ر گروپ میں تقسیم کر دیا گیا ہے، ہر ہفتہ چھ انجمن منعقد ہوگی ۳ ر عربی اور ۳ ر اردو زبان میں تقریر کرنے کے لیے انجمن کا آغاز صبح سات بجے، فضیلت کے طلباء ۸ ر منٹ اور عالمیت کے طلباء کو ۷ ر منٹ کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی/سنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

☆ٹونی بلیئر روزانہ قرآن کا مطالعہ کررہے ہیں:

برطانیہ کے سابق وزیراعظم ٹونی بلیئر کی مذہب اسلام میں دلچسپی بڑھ گئی ہے، وہ ہر روز قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، انہوں نے ۲۰۰۷ء میں وزارت عظمی کا عہدہ چھوڑنے کے بعد کیتھولک مذہب اختیار کرلیا تھا۔

برطانوی اخبار ڈیلی میل کے مطابق ٹونی بلیئر اس وقت مشرق وسطی میں "اللجنة الرباعية لعملية السلام" سے منسلک ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مذہب اسلام کے اندر قرآن مجید کی تلاوت اس کی عظمت واہمیت کے پیش نظر کی جاتی ہے، تاہم وہ قرآن کا مطالعہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ بذات خود سمجھ سکیں، چونکہ اس وقت پوری دنیا میں یہ کتاب موضوع بحث بنی ہوئی ہے، اس لیے وہ اس کتاب کا مطالعہ کررہے ہیں تاکہ کسی کارآمد نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ (اخبار العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ: ۲۷/۷/۲۰۱۱ء)

☆شاہ عبداللہ کے فرزند شہزادہ عبدالعزیز نائب وزیر خارجہ مقرر:

سعودیہ عربیہ کے فرماں روا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے شاہی فرامین کے تحت کابینہ میں ردوبدل کا سلسلہ جاری ہے، ایک شاہی فرمان کے مطابق شاہ عبداللہ کے فرزند شہزادہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالعزیز کو ملک کا نائب وزیر خارجہ مقرر کیا گیا ہے۔

شہزادہ عبدالعزیز ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے، انہوں برطانیہ کی ایک یونیورسٹی سے اکنامکس اور سیاست میں گریجویشن کیا ہے، نیز کئی عالمی شہرت یافتہ اداروں سے مختلف کورسیز کئے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب ممبئی از بنارس ۲۴/۷/۲۰۱۱ء)

☆ خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے مسجد حرام کے لیے توسیعی منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا، جس پر ۱۰۶ ارب امریکی ڈالر کی لاگت کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ (عالمی سہارا ۳۰/۸/۲۰۱۱ء)

☆ لکھنؤ کے ڈاکٹر ایم ایچ فاروقی نے کچھ عرصہ قبل قرآن وحدیث میں مذکور درختوں، پودوں اور پھولوں پر دو کتابیں لکھیں، جس میں انہوں نے سائنسی نقطۂ نظر سے ان کا مفصل جائزہ لیا تھا، عمان کے سلطان قابوس بن سعید نے ان کی اس تحقیق پر پچیس ہزار ڈالر کے انعام کا اعلان کیا ہے۔

خبر ہے کہ یونیسکو نے شارجہ اور قطر میں بھاری رقم صرف کرکے ایک ایسا نباتاتی باغ لگانے کا منصوبہ بنایا ہے جس میں وہ تمام درخت اور پودے ہوں گے، جن کا تذکرہ قرآن میں ہے۔ (اخبار تحقیق اسلام آباد، اپریل تا جون ۲۰۱۱ء) ☆☆

باب الفتاوی

سوال: ایک شخص حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتا ہے، لیکن وہ اس پس وپیش میں ہے کہ کون سا حج کرے اور کون سا افضل ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ کونسا حج افضل ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ سب سے پہلے ہم آپ کے سامنے حج کی قسمیں پھر ان کی تفصیل پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

حج کی کل تین قسمیں ہیں: (۱) حج قران (۲) حج تمتع (۳) حج افراد۔

حج قران: اس کے لیے حجاج کرام اپنے میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھیں، مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کریں، عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام نہ کھولیں اور نہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوں، بلکہ احرام ہی کی حالت میں رہیں اور اسی حالت احرام میں ۸/ذی الحجہ کو منی چلے جائیں اور پھر اعمال حج ادا کریں۔

حج تمتع: یہ کہ حجاج کرام اپنے میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں اور "لبیك اللھم عمرة" کے الفاظ کے ساتھ تلبیہ پکاریں، مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کا طواف کریں، دو رکعت نماز پڑھیں اگر مقام ابراہیم کے پاس ممکن ہو ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی، پھر صفا ومروہ کی سعی کریں، بال کٹوائیں اور احرام کھول دیں اور عام معمولات کے مطابق زندگی بسر کریں اور اب آپ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہیں، پھر آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھیں اور مناسک حج ادا کریں۔

حج افراد: یہ عازمین حج اپنے میقات سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھیں، طواف قدوم اور سعی کریں، لیکن احرام نہ کھولیں، بلکہ اسی حالت میں منی چلے جائیں اور تمام ارکان ومناسبک حج ادا کرنے کے بعد احرام کھولیں۔

حج کی یہ تینوں قسمیں بالاتفاق صحیح ہیں، اب حج کی کونسی قسم افضل ہے، اس میں قدرے اختلاف ہے، بعض نے حج قران کو افضل قرار دیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حج کیا تھا، بعض دوسرے حضرات نے حج تمتع کو افضل قرار دیا، کیونکہ آپ ﷺ نے اس کی تمنا کی تھی، ان کے علاوہ کچھ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر قربانی کا جانور ساتھ لے جا رہا ہو تو حج قران افضل ہے اور قربانی کے جانور ساتھ نہ لے جا رہا ہو تو تمتع افضل ہے، لیکن دلائل ونصوص صحیحہ کی رو سے حج تمتع افضل ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اگرچہ حج قران کیا تھا، مگر حج تمتع نہ کرنے پر افسوس کا اظہار بھی کیا تھا، اور یہ بات یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف بہتر اور افضل عمل کی ہی تمنا کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اس میں امت کے لیے کچھ آسانیاں بھی ہیں۔

آپ ﷺ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا: "ان عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: لو استقبلت من أمري ما استدبرت لما سقت الهدي ولحللت مع الناس حين حلوا"۔ (صحيح بخاری مع الفتح ج ۱۳ ص ۲۱۸، كتاب التمنی، باب قول النبی ﷺ: لو استقبلت من أمری ما استدبرت ح ۷۲۲۹)

یعنی جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی وہ اگر پہلے ہوجاتی تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا اور عام لوگوں کے ساتھ میں بھی احرام کھول کر حلال ہوجاتا۔

جن صحابہ کرام کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے اور وہ حج قران کی نیت سے احرام باندھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ عمرہ کرکے احرام کھول دیں اور قران کی نیت ختم کرکے تمتع کی نیت کرلیں، جیسا کہ صحیح مسلم ح ۱۲۱۸ اور بیہقی ۲/۳۳۸ وغیرہ میں موجود ہے، اور جنہوں نے آپ ﷺ کے اس حکم کو مشورہ سمجھا اور احرام نہ کھولا، آپ ﷺ نے ان پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا، جیسا کہ صحیح مسلم ۸/۶۵۴، ۱۵۵، مسند احمد ۶/۷۵ وغیرہ میں حضرت عائشہ ؓ کی حدیث میں تفصیل موجود ہے۔

اوپر مذکور تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا حج تمتع کی تمنا کرنا اور جن صحابہ کرام کے پاس قربانیاں نہیں تھیں انہیں عمرہ کرکے احرام کھولنے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حج تمتع افضل و بہتر ہے۔

صحابہ کرام و تابعین عظام کی ایک بڑی جماعت نیز امام مالک و امام احمد بن حنبل، علامہ شوکانی، علامہ ابن قدامہ، نواب صدیق حسن خاں اور علامہ البانی وغیرہ بھی اسی موقف و بات کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لیے فتح الباری ٤ / ٢١٦، ج ١٣ ص ٢١٨، المغنی لابن قدامه ٥ / ٨٢، الام ٢ / ٣١٢، نيل الأوطار ٣ / ٣١٧، الروضة الندية ١ / ٥٩٤، اور التعليقات الرضية على الروضة الندية ١ / ٦٤ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆